

محدث

وَرَأَيْتُ الْإِسْلَامَ بِنُورِهِ
وَسِرَّ حَاجَتِنِي



مجلس التحقيق الإسلامي كاون باؤن لاہور

مدیر اعلیٰ

حافظ عبد الرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۷۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

لاہور

ماہنامہ

جلد ۲

ص ۱۲۰۰

جلد ۱۰

فہرست مضامین

- ۲ فکر و نظر — کینٹلک پانی کے کاسٹوں پہ لہو تولو گئے تم! اکرام اللہ ساجد
- دارالافتاء — ہر دو تاج و قیو کا دورو ،
- ۶ نقد و بحث — محدث روپڑی کا ایک علمی و تحقیقی فتویٰ اور مولانا عزیز زبیدی کا تعاقب
- ۶۳ آرشاد و اسلام ایم۔ ایم۔ اے مولانا ابوالسلا محمد صدیق
- ۲۴ صدقہ الادت — اسلامی قوانین میں حدیث کا مقام حافظ منظور احمد ایم۔ اے
- ۳۰ ریخ و سیر — پنج بلیغ البشیر کی دس صحابیات جناب طالب ہاشمی
- ۳۴ عرواوب — خوف رہتا ہے جسے قبر کی تنہائی کا عبدالرحمن حاجت
- ۴۵ عارف و تصوف کتب — ہومانہ ہے عارف ارض و سانسے مانگ عظیم نامری
- ۴۷ پاکستان میں مسیحیت (ابوشاہد) — فقہار سبعہ (طالب ہاشمی) ۴۷، ۴۶
- ناشر : حافظ عبدالرحمان مدنی ، طابع : چودھری رشید احمد ، مطبع : مکتبہ جدید پریس ۴۷ فاطمہ جناح لاہور
- زر سالانہ ۱۵۰ روپے نصفی پرچہ ۱۵۰ روپے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فِکْر و نَظَر

کب تک پانی کے کانٹوں پہ اُتو تو لو گے تم !

عرب جاہل تھے، گنوار تھے، تہذیب و تمدن کی روشنی سے کوسوں دُور وہ ایک ایسے خطہ کے مکین تھے جس کی تاریخ خاندانی جھگڑوں یا قبائلی جھگڑوں سے عبارت تھی۔ لیکن انھیں اپنے اس اندھناک ماضی پر فخر تھا اور اپنے حال کی پستیوں پر ناز۔ کوئی برائی جو انہیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی تھی، ان کی نظر میں قابلِ نفرت اور کوئی نیکی جسے ان کے آباؤ اجداد ٹھکرا چکے تھے، ان کے نزدیک قابلِ التفات نہ تھی۔ ان کا وجود زندگی کی ہر سعادت کی نفی کرتا تھا۔ وہ جس روش پر چل رہے تھے اسی پر چلتے رہنا چاہتے تھے۔ ان کے ماحول کی ظلمتوں کو کسی روشنی کی احتیاج نہ تھی۔ لیکن یہی وہ ظلمت کدہ تھا جو آئندہ کے لیے روشنی کے ہر جوہر کی نگاہوں کا مرکز بننے والا تھا۔ یہی وہ بخر اور سنگلاخ زمین تھی جسے قدرت نے اپنی نیرنگیوں اور اپنے انعامات کی بارش کے لیے جُن لیا تھا۔ اور یہی وہ افق تھا جس کی تاریکیاں آفتاب رسالت کی ضیا پاشیوں کی اولین مستحق سمجھی گئی تھیں۔ ہاں وہ رزیح الاول ہی کی ایک صبح درخشاں تھی جس نے مدتوں سے بھیانک تاریکیوں اور بے نشان راستے پر چلنے والی انسانیت کو ایک نئی روشنی کا پیغام دیا۔ اور جس نے تاریک رات کے مسافروں کو چونکا دیا تھا !

آفتاب رسالت فاران کی چوٹیوں پر سے نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری کائنات کو ایک ایسی روشنی سے منور کر گیا کہ جس کی تابندگی و تابانی، زوال و غروب کے الفاظ سے کبھی آشنا نہ ہو سکی اور آئندہ کبھی ہو سکے گی :

هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلٰی الدِّیْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ !

”وہ اے خلیل“ کی قبولیت اور ”نورِ مسیحا“ کے ظہور کے چند ہی سال بعد عرب کے یہ وحشی انسان

دنیا کو انسانیت، صلح و آشتی، امن و انصاف اور تہذیب و تمدن کا درس دے رہے تھے۔ عرب کے اس غلمت کدہ سے آفتاب رسالت کی ضیا باریوں کے باعث انسانی عظمتوں کے جو پہاڑ نمودار ہوئے، ان کی وسعت، بلندی اور دلکشی کا تصور بھی موجودہ دور کے انسانوں کے فہم و ادراک کی سرحدوں سے باہر ہے۔ وہ عرب کے پتے پتے صحراؤں سے ایک ہاتھ میں تہذیب و تمدن اور دوسرے میں تلوار لے کر اٹھے تو زمین کی وسعتیں ان کے سامنے سمٹ کر رہ گئیں۔ افریقہ کے ریگزار ہوں یا چین کے چٹیل پہاڑ، سرزمین اندلس و سپین ہو یا بنگلہ دیش، بھارت، چین کے قافلے ہر جگہ پہنچے اور ہر منزل پر اپنے قدموں کے ایسے نشانات چھوڑ گئے کہ جن کو حوادث زمانہ کی تند و تیز موجیں نہ آج تک مٹا سکی ہیں نہ آئندہ کبھی مٹا سکیں گی۔ ”لا الہ الا اللہ“ کی عالمگیر انقلابی آواز سے جو غلغلہ بپا ہوا۔ اور پھر کتاب و سنت کی بنیادوں پر اخلاق و آداب، معیشت و اقتصاد، علوم و فنون، تعلیم و تربیت، صنعت و حرفت، زراعت و تجارت، نظام و انصرام، عدل و انصاف، قانون و سیاست اور حکمرانی و جہان بینی کی جو پرشکوہ اور سر بفلک عمارتیں تعمیر ہوئیں، وہ آج بھی اقوام عالم کی رہنمائی کرتی نظر آتی ہیں۔

روشنیوں میں نہا کر وہی نگاہیں خیرہ ہوتی ہیں جو بیمار ہوں، آفتاب کے نظارہ سے وہی شخص محروم رہتا ہے جس کی بنیادی کو قدرت نے سلب کر لیا ہو۔ اس کی خشنمندی و تابانی کا انکار وہی کر سکتا ہے جو اس کے وجود سے ناواقف ہو۔ لیکن ایک ایسا انسان جو نگاہ دیدہ و بینا رکھتا ہے، اس کی بدستی کا اس سے بڑھ کر اور کیا تصور ہو سکتا ہے کہ اجالوں کے وجود سے واقف ہونے اور ان کے حقائق کا ادراک کر لینے کے باوجود وہ ان سے یکسر محروم رہے اور تاریکیوں میں بھٹکتے رہنے پر قناعت کر لے۔ درآنحالیہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہو، اس کی راہ میں بیشمار خطر مقام حاصل ہوں اور مہیب غار منہ کھولے اس کو ٹپ کر جانے کے لیے مضطرب و بے چین ہوں۔ وہ گر کر گر کر اٹھتا ہے اور اٹھ اٹھ کر گرتا ہے۔ ہر نئی ٹھوکر اسے تھجھوڑتی اور ہر غلط جگہ پر پڑنے والا قدم اسے تباہی کا احساس دلاتا ہے۔ وہ واویلا کرتا اور شور مچاتا ہے۔ چیخا اور چلاتا ہے، لیکن آنکھیں نہیں کھولتا۔ روشنی کا رہین منت ہونا اسے گوارا نہیں۔ خدا کے بخشے ہوئے نور سے فیضیاب ہونے کی وہ توفیق نہیں پاتا۔ کیا اس کی بد نصیبی، محرومی، تیرہ سختی اور کوتاہ دانی و کوتاہ بینی میں کچھ کلام ہو سکتا ہے؟

پاکستان میں ملت کا قافلہ گزشتہ تیس سال سے تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے۔ وہ اسلام کی عظمتوں

سے واقف بھی ہے اور اس کا نام لیوا بھی۔ آفتاب رسالت کی ضیاء پاشیوں کا معترف بھی ہے اور دہانی و کلامی اس کی محبت سے سرشار بھی۔ وہ ”نور مبین“ کی حقیقتوں سے آگاہ بھی ہے اور ”سراج منیر“ کی جگمگاہٹوں کو اپنے مقدر کی سیماہیوں کو دھو دینے کا واحد ذریعہ بھی خیال کرتا ہے۔ لیکن کبھی سوٹلزم کی غن آشام آندھیوں کا شکار ہوتا ہے تو کبھی مغربی جمہوریت کے فتنہ و فساد کا اسیر۔ کبھی عیسائیت کی اندھی تقلید کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھنے لگ جاتا ہے تو کبھی یہودیت کی نقالی کو باعث فخر گرداننے لگتا ہے۔ اس کی زندگی کا ہر قدم اسے کسی نئے خطرے کا پیغام دیتا ہے۔ اس کے سفر حیات کا ہر موڑ اسے نئی مصیبتوں سے دوچار کرتا ہے۔ اس کی تاریخ کا ہر نیا دھارا اسے کسی تازہ تباہی کا احساس دلاتا ہے۔ آدھا کا دوان لٹ گیا، پٹ گیا، کٹ گیا۔ وہ چیخا بھی اور چلایا بھی۔ اپنے مقدر کی ظلمتوں پر آنسو بھی بہا لے اور اپنی روسیماہیوں کا ماتم بھی کیا۔ لیکن کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھنا اسے گوارا نہ ہوا۔ اس کے نور سے چلا پالینے کا خیال اسے نہ آیا۔ وہ چند طالع آزمائوں کے بت نئے نعروں کا شکار ہوا۔ وہ اس کی خواہشات سے کھیلے۔ انہوں نے اس کی تناؤں کا غن کیا۔ افراد امت ان کے ادنیٰ سے اشاروں پر مچل مچل گئے۔ جان کی بازیاں لگائیں اور غن کے نذرانے پیش کیے۔ لیکن سب کچھ اک سراب نکلا۔ حقیقت سے جس کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اور آج تک یہ حالت ہے کہ :

مثالہ کمثل الذی استوقد ناراً فلما اضاءت ما حوله ذهب الله بنورہ و
وترکھو فی ظلمات لا یبصرون، صوبکم عی فھو لا یرجعون۔

ربیع الاول پھر آ رہا ہے۔ گزشتہ سال بھی کچھ نئے عوام کا اظہار ہوا تھا۔ کچھ نئے عہد و پیمان بندھے تھے، لیکن وقت کی آندھیوں نے انھیں دھندلا دیا۔ زانیوں کو، شرابیوں کو، پوروں کو کوڑے بھی لگے۔ راشیوں، منافع خوروں، بددیانتوں کو سزائیں بھی ہوئیں اور جرمانے بھی ہوئے، لیکن سب مارشل لا کے تحت۔ معاشرہ کی تطہیر کے سامان بھی ہوئے، لیکن مارشل لا کی روشنی میں۔ کتاب و سنت کے نور سے استفادہ نہیں ہوا۔ اس سلسلہ میں مہنوز روز اول کا سامنا ہے۔ اور اب گرد کی تہیں پھر جم رہی ہیں۔ نقوش پھر ملتے جا رہے ہیں۔ ملت نے انہیں اپنے خون سے اُجاگر کیا تھا۔ یہ خون ابھی تک خشک نہیں ہوا لیکن یہ نقوش پھر دھندلا رہے ہیں، پھر مٹ رہے ہیں۔ ملت کے قافلہ سالارو! ان نقوش پہ اب حقیقت کے خوشنما

عمل تعمیر کر ہی ڈالو۔۔۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔۔۔ گرد کی تہیں دبیں ہو گئیں، تاریکیاں کچھ اور بڑھ گئیں تو کسی نئے چشمہ خون کی ضرورت پڑے گی۔۔۔ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ خون کے یہ چشمے ابلتے ہی رہیں گے؟ یہ سوتے خشک بھی ہو سکتے ہیں۔۔۔ ختم بھی ہو سکتے ہیں، بھر نئے چشمے کہاں سے تلاش کرو گے؟۔۔۔ اب بھی وقت ہے، کتاب و سنت کے نور فیض سے تابانیاں حاصل کر لو۔۔۔ جس کے باعث عرب کے گڈریے، شہنشاہِ دوراں بنا دیے گئے تھے، تم بھی اس کی روشنی میں نئی راہیں تلاش کر سکو گے، نئی منزلیں پاس کو گے۔۔۔ ورنہ یاد رکھو!۔۔۔ یہ قافلہ اگر چند سال اور اسی طرح بھٹکا رہا تو خدا خواستہ اس کی سلامتی پر رنج بھی آ سکتی ہے۔۔۔ پس ان دھندلے نقوش کو واضح کر دو، اجاگر کر دو۔۔۔ امنٹ بنا ڈالو۔۔۔ اسی مبارک ماہ میں۔۔۔ اسی ربیع الاول میں۔۔۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو!۔۔۔ آمین!

(اکرام اللہ ساجد)

خوف رہتا ہے جسے قبر کی تنہائی کا

عبدالرحمان عالجز

ہر لب گل پہ ہے چہر چتری یکتائی کا
معجزہ ہے یہ تری شانِ سیجائی کا
یہ کرشمہ ہے مری بادیہ پیمائی کا
نام کیا لیجئے اُس پھول کی رعنائی کا
کیا یہی شکر ہے اس نعمتِ بینائی کا
رقص کی لت ہو جسے ذوقِ ہوشنائی کا
ہائے یہ حالِ مسلمان کی رُسوائی کا
کس قدر قحط ہے اس دور میں بینائی کا
خوف رہتا ہے جسے قبر کی تنہائی کا
یہ زمانہ ہے مری دوستو ہنگامی کا

معدنِ جن ہے سرچشمہ ہے رعنائی کا
ہر دلِ مردہ کو جینے کا سلیقہ آیا،
درے درے کی جبین سے مہِ وانجم ٹوٹے
جس کی رنگت کو قیام اور نہ خوشبو کو دوام
رات دن پردہِ سیمیں پہ بتا رہے دیکھو
دورِ حاضر میں اسے کہتی ہے دنیا فن کا
اک مسلمان مسلمان ہی سے خائف ہو
اہلِ بینش بھی ہر اک اندھے کو بینا سمجھے
خاک دیکھے گا وہ ہنگامہ محفل کی طرف
اشکِ غم بھی ہو میسر تو پس انداز کر دو،

تو ہے دانا تو کسی اور کو ناداں نہ سمجھ
ہے تقاضا یہی عاجز تری دانائی کا!

دارالافتاء

بیت عزیز ذہبیہ، دارالحدیث
شیخ محمد صالح

درود تاج وغیرہ کا ورد

کراچی کے جناب قاری محفوظ اللہ ہزاروی پوچھتے ہیں کہ:

ایک شخص کانیاں ہے کہ درود ہزارہ، درود کلہی، درود تاج، دعا گنج العرش اور ہند نامہ وغیرہ کا ورد، وظیفہ خلاف شرع اور بدلت ہے۔

دوسرے صامح کہتے ہیں کہ:

نہیں یہ بدعت نہیں کار ثواب ہے کیونکہ ان میں بھی خدا کی صفات کا بیان ہے جیسے کوئی شخص اپنی زبان میں خدا کو یاد کرتا ہے اسی طرح ان کا حال ہے۔ ان میں سے صحیح کس کانیاں ہے؟

الجواب: صحیح موقف پہلے شخص کا ہے، دراصل اس قسم کے اوراد اور وظائف نے تلاوت قرآن اور سنون ذکر و اذکار کی جگہ لے لی ہے جس سے بڑھ کر خسارہ کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، قرآن حکیم کی تلاوت ذکر بھی ہے اور مطلوب تلاوت بھی جس کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ دوسرے جتنے وظیفے اور ذکر ہیں ان کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں اور جو ورد وظیفے اور ذکر اذکار بتائے، اپنا ہے، خدا کے ہاں ان کی حیثیت عبادت کی ہے، دوسروں کی یہ شان نہیں ہے لیکن اس کے باوجود یا لوگ مصر ہیں کہ ہمیں درود ہزارہ، تاج، وغیرہ کے ورد وظیفہ کی اجازت ملنی چاہیے۔ آخر اس میں راز کیا ہے؟ گھائے کا یہ سودا ان کو کیوں منظور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو ان اداؤں پر بیسیوں اور سوچنے کے انداز کو غلط قرار دیا ہے

قرآن شریف میں ہے کہ،

”اَتَسْتَبِدُّونَ النَّذِیْنَ هُوَ اَذْنَبُ یَا لَذِیْکُمْ حُجُوبٌ“ (پہلوؤں)

”جو چیز اعلیٰ ہے تم اس کے بدلے میں ایسی چیز لینا چاہتے ہو جو کمتر درجہ کی ہے؟“

کیا یہاں یہ بات ثابت نہیں ہے کہ یہ لوگ قرآن حکیم کی تلاوت اور پیارے نبیؐ کے وہن مبارک سے نکلے ہوئے اذکار کی جگہ، دوسروں کے بنائے ہوئے وظیفوں پر جان چھڑکنے لگے ہیں؟ کیا اس سے بڑھ کر اعلیٰ اور اوقیٰ کا کوئی تسد ممکن ہے؟ ایک طرف قرآن حکیم کی تلاوت ہو، دوسری طرف درد کبھی کی تلاوت ہو، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کردہ اذکار الہی ہوں اور دوسری طرف خود ساختہ قسم کے جہر نامے، تو ایسے مرحلہ پر دونوں کے موازنہ کے بعد جو لوگ ان عبدناؤں اور بچے بچکے درد و دوس پر اصرار کرتے ہیں ان کو اس "ادائے غلط" پر خدا سے ڈر نہیں لگتا؟ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بدعات پر جان چھڑکتے ہیں بطور سزا وہ اتنی مقدار میں "سنت" کے فوق اور عمل سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ:

"ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة" (احمد، بزار)

(جنسور کا ارشاد ہے) جو گروہ جتنی بدعت ایجاد کرتا ہے اتنی سنت اس سے جھین لی جاتی ہے۔

جب ان لوگوں کے بدعات پر جان چھڑکنے اور سنت سے بدکنے کے مناظر دیکھتے ہیں تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا ارشاد یاد آ جاتا ہے۔

بدعت کے دراصل دو محرک ہوتے ہیں ایک مزہ بدکنے کا دوسرا سنون عبادات پر انصاف کا۔ اور وہ بھی بطور نیک جذبہ کے۔ یہی وہ بیماری تھی جو اہل کتاب کو آسمانی معیضوں اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ سے دور لے گئی تھی کیونکہ اب وہ خود ساختہ عبادات اور درد وظیفوں میں لگے رہتے تھے یہی چیز آج ہمارے دوستوں میں سرایت کر رہی ہے سنت سے بدعت ان کو نیا یاد دہیاد ہی ہے اگر ان کی بدعات کی راہ لی جائے تو یقین کیجیے قرآن و پیغمبر سے رابطہ برائے نام رہ جائے۔

ہم ان سے پوچھتے ہیں جو ذکر قرآن حکیم اور پیغمبر خداؐ نے بتائے اور تجربہ کیے ہیں، وہ بہتر ہیں یا دوسرے؟ تو یہی کہیں گے کہ قرآن اور رسولؐ کے بتائے ہوئے! پھر جب آپ پوچھیں گے کہ جناب آپ ان کو چھوڑ کر دوسروں پر کیوں جان دیتے ہیں؟

تو جواب دیں گے آخر وہ بھی اللہ ہی کا نام لیتے ہیں اس پر جب ان سے کہیں گے کہ اُس طرح اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے جس طرح اللہ اور اس کے رسولؐ نے سکھایا ہے؟

تو اس پر کچھ جواب اُس سے نہ بن آئے گا !

راقم الحروف نے آج سے ۶ سال پہلے ماہنامہ محدث کے شوال اور ذیقعدہ ۱۳۹۲ء کے شمارہ میں "دلائل الخیرات کا ورد" کے عنوان سے ایک تبصرہ لکھا تھا بہتر ہے ان سلوک کے ساتھ ان کو بھی ملا کر پڑھ لیا جائے تو مزید بہتر رہے گا۔ ملاحظہ ہو "ماہنامہ محدث" ص ۴۴ شوال ذیقعدہ ۱۳۹۲ء

باقی رہا اپنے نفلوں میں خدا کو یاد کرنا؛ سو یہ ایک الگ صورت ہے یہ ایک غیر مرتبط غیر منظم اور غیر متعین سلسلے میں جن کی تلاوت ہوتی ہے نہ ورد، بس وہ نام لینے والی بات ہوتی ہے۔ اگر یوں کبھی کبھار اس کا کوئی جملہ زبان پر آجائے تو ہمیں اس پر کیا اعتراض ہے؟۔ رونا تو اس بات کا ہے کہ سنون اذکار کی جگہ ان خود ساختہ ورد و نفلوں نے لے لی ہے۔ اور باقاعدہ ان کی منزلیں اور ختم و راج پائے گئے ہیں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد ہوتا تو تصور کیجئے اگر آپؐ ان احداث کو کس نظر سے دیکھتے؟

ناراض مقتدیوں کے لئے کیامت

لو وہ مراں ہے بنیاب غور سید احمد صاحب سمجھنے میں ہے کہ :

ایک امام مسجد سے ان کے نازی ناراض ہیں وہ ان کو منافق اور اپنی جماعت کا باغی تصور کرتے ہیں اور ان کے بے جا اصرار کی وجہ سے پوری جماعت و حصوں میں بٹ گئی کیا ان کی امامت جائز ہے؟ انکو تنخواہ نہ کوٹھا کر کے دیتے ہیں اور وہ لے لیتے ہیں۔ امام موصوف کہتے ہیں اس میں میرا کیا تصور ہے؟ نہ دو مجھے تو تنخواہ چاہیے !

ایک دینی مدرسہ موجود ہے اپنے لائسنس کے لئے لوگوں کو اس سے تعاون کرنے سے بھی روکتے ہیں کیا ایسا شخص امامت کے لائق ہے؟

الجواب : امام موصوف سے جو لوگ ناراض ہیں اگر ان کی ناراضگی کسی شرعی داعیہ پر مبنی ہے تو مولوی صاحب کو ایسی صورت میں خود بخود ہی امامت سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ :

"ثَلَاثَةٌ لَا تَقْبَلُ لَهُمْ صَلَوةُ الرَّجُلِ يَوْمَ الْقَوْمِ وَهُمْ لَزَاكَاهُونَ"۔ الحديث

رواہ ابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمرو فی الزوائد اسنادہ صحیح و رجالہ ثقات
 "تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی (ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو لوگوں کو نماز
 پڑھانا ہے اور لوگ اس کو پسند نہیں کرتے)"

اگر حق گوئی کی بنیاد ان سے وہ ناراض ہیں تو پھر امام گو عندئذ بدی ہے تاہم مسلمانوں کو
 انتشار سے بچنا سب سے بڑا فریضہ ہے اور خانہ خدا کو دو ٹکڑی بنانے سے احتراز نہایت
 ضروری ہے۔ اس لیے اگر اب بھی وہ رضا کارانہ طور پر امامت سے الگ ہو جائیں تو اس پر
 ان کو ثواب بھی ہوگا۔

"ومن ترك الصلاة..... وهو محق بنی لنا (ای بیت) فی وسطها (ترک)

قال حدیث حسن

باقی یہ بات کہ وہ زکوٰۃ کے میسوں سے تنخواہ لیتا ہے تو وہ ویسے ہی مختلف فیہ
 بات ہے تاہم یہ کوئی گردن زدنی بات نہیں ہے۔

مدرسہ کے سلسلے میں تعاون کرنے سے لوگوں کو روکنا، عظیم مصیبت ہے اور یہ ان
 لوگوں کا شیعوہ ہوتا ہے جو دینی خدمت بطور عبادت انجام نہیں دیتے بلکہ اسے کاروبار بنا کر
 کرتے ہیں تاکہ ان کی آمدنی کم نہ ہو جائے اگر یہ بات ہے تو یہ ان کے شایان شان نہیں ہے،
 ان کو اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔ بہر حال اگر نمازیوں کی اکثریت ان سے مطمئن
 نہیں ہے تو عافیت اسی میں ہے کہ مولوی صاحب خود بخود امامت سے الگ ہو جائیں
 ورنہ اگر مولوی صاحب کا ہوگا۔ اور بے وین لوگ مذاق دینی قیادت کا اڑائیں گے۔

"ازهد فی الدنیا یحبك الله و ازهد فیما فی ایدی

الناس تحبک الناس" (رواہ ابن ماجہ) الزهد

فی الدنیا یریح القلب و المجد و رواہ الطبرانی

و اسنادہ مقارب قالہ النذری

ایکے (اور صاحب) اذان سے شپے لاہور سے بھٹے ہوئے کہ!

۱۔ دُہری اذان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ بجا بیز تحریر کے بعد "سبحانک اللہم" پڑھنے سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا

پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اذان کہنے کے متعدد طریقے ہیں اور وہ سب سنت سے ثابت ہیں۔ ایک تو وہ حضرت بلالؓ کا طریقہ تھا یعنی وہ اذان جو خفیوں میں متداول اور مشہور ہے یعنی اٹھ چار بار باقی دو دو بار آخر میں لا الہ الا اللہ ایک بار اور تکبیر وہ جو عموماً اہل حدیث کہتے ہیں۔ "قد قات الصلوٰۃ" کے سوا باقی سب مکملے اکبرے اکبرے۔

"عن النہک قال اُمّہ بلالہ انک یشفع الاذاک ویوتر الاقامۃ وادیحی کے فکحدیشہا عہا ابک علیہ۔ فحدثت بہ ایوب فقالہ الا الاقلۃ (مسلم) وکذا روی عن ابن کعب عن واہ ابو داؤد"۔
دوسرا طریقہ یہ کہ جیسی اذان ویسی تکبیر یعنی اٹھ اکبر چار بار پھر سب دو دو بار۔
"ان بلال اذان بمعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکرت مرتین و اقام مثل ذالک" (رواہ ابو الشیخ کذا فی النیل)
امام شوکانی فرماتے ہیں یہ مکمل صحیح قابل احتجاج ہے کہ جیسی اذان ویسی تکبیر بھی۔
"اذا عرفت ہذا تبین لک ان احادیث تشنیع الاقامۃ صالحۃ للاحتجاج بہا لما اسلفناہ"

بہر حال اس طور کی اذان اور تکبیر سے بدکنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ بھی ثابت ہے۔ یہی نظریہ امام احمد، امام اسحق، امام داؤد بن علی ظاہری کا ہے:

"قال ابو عمر بن عبد البزہب احمد بن حنبل واسحق ابن راہویہ داؤد بن علی و محمد بن جریر الی اجازۃ القول بکل ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک و حوالہ علی الاباحۃ۔" (نیل)

دوہری اذان

دوہری اذان سے سائل کی مراد غالباً "ترجیع" ہے۔ یہ دوہری اذان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی۔ حضرت ابو محمد ورہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے اس میں یہ اذان سکھائی اور وہ ۹۰ تک مکہ مکرمہ میں دیتے رہے:

"عن ابی محمد ورة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علم الاذان اللہ اکبر اللہ اکبر (وفی طرق الفارسی فی معجم مسلم اربع مرات۔ نووی اشہد

ان لا الہ الا اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ اشہدان الحمد رسول اللہ
اشہدان الحمد رسول اللہ ثم یعود فیقول اشہدان لا الہ الا اللہ
اشہدان لا الہ الا اللہ مرتین اشہدان الحمد رسول اللہ (وفی نسخہ)
اشہدان الحمد رسول اللہ (مرتین بھی علی الصلوۃ مرتین حم
علی الافلاک مرتین زاد اسمعیل اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا
اللہ (مسلم)

ہاں ان کی تکبیریں "ترجیع" نہیں تھی، اس لیے حضرت ابو مخزومؓ نے فرمایا تھا۔ مجھے حضور
نے اذان کے گمے (۱۹)، اور تکبیر کے (۱۷) سکھائے تھے۔

"ان النبۃ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الاذان التاسع
عشر کلمۃ والاقامۃ سبع عشرة کلمۃ وقال الترمذی
حدیث حسن صحیح"

اذان کے گمے (۱۹) بنتے ہیں جب "ترجیع" ہو اور تکبیر کے (۱۷) بنتے ہیں جب وہ
"دوسری" ہو مگر اس میں "ترجیع" نہ ہو۔ "ترجیع" کے معنی ہیں کلمہ شہادتین ایک دفعہ آواز میں
دو بار پھر اونچی آوازیں مکرر دو دو بار۔

جو حضرات "ترجیع" سے بدکتے ہیں وہ بھی غلطی کرتے ہیں۔ جیسے کہ کچھ لوگ دوہری تکبیر
سے گھبراتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ثابت ہیں ہاں اکبری تکبیر کی روایت زیادہ صحیح ہے لیکن
دوسری ثابت ہے ایک بات زائد ملتی ہے۔ اس لیے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے
یعنی اس پر بھی عمل ہو سکتا ہے بہت سائنہ کا یہی نظریہ ہے :

"قالوا کل ذلک جائز لانہ قد ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم جمیع ذلک وعمل بہ اصحابہ فمن شاء قال اللہ اکبر
اربعا فی اول الاذان ومن شاء ثنی الاقامۃ ومن شاء افردها الا
قوله قد قامت الصلوۃ فان ذلک مرتتان علی کل حال"
(کذا قال ابن عبد البر - نیل)

ہمیں اپنے بعض اساتذہ سے یہ تاثر بھی ملا ہے کہ اگر اذان "ترجیع" والی ہو تو تکبیر بھی
وہی ہو یعنی "دوسری" ہو۔ اگر اذان "بلال" والی ہو تو تکبیر بھی وہی یعنی "قد قامت الصلوۃ" اور اگر

اشد اکبر کے سوا باقی اکبرے کلمے - صحیح یہ ہے کہ اذان اور تکبیر دونوں طرح ثابت ہے -
اذان نیز صحیح بھی اور بلا ترجیح بھی - تکبیر اکبری بھی اور دوسری بھی - اگر باری باری یہ سب سنتیں
جاری رہیں تو زیادہ مبارک اور بہتر ہے -

۲۔ سبحانک اللہ سے پہلے بسم اللہ -

اس سلسلے کی حقیقی روایات ہماری نظر سے گزری ہیں ان میں سے کسی بھی روایت
میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ حالانکہ بسم اللہ اس وقت بھی موجود تھی نماز میں پڑھی جا رہی تھی
اگر بسم اللہ بھی اس موقع پر پڑھی گئی ہوتی تو ضرور اس کا ذکر آجاتا جیسا کہ سورہ فاتحہ سے پہلے جب
وہ پڑھی گئی چھپی نہ رہی۔ روایات میں اس کا اتنا تباہ کیا جہاں صورت حال یہ ہو اس کو عموم
ابسولی کہا جاتا ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک عبادات کے بارے میں قیاس کا دخل
بہت کم ہے -

"کل امری بال لم یبد ائیسو اللہ فهو اقطع ادابتہ" کے عموم سے یہاں
استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اب نماز "سبحانک اللہ" سے پہلے شروع ہو چکی ہے
اس کے عموم تلقین کے باوجود حضور علیہ السلام کے معمولات میں اگر اس کا نشان نہ ملے
تو یہی کہا جائے گا کہ یہ مرحلہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ورنہ یہ الزام آنے لگا کہ ایک بات آپ
کہہ کر خود اس پر عمل نہیں کرتے حالانکہ رحمۃ تعالین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی قول و
فعل کے اس تضاد سے پاک ہے۔ اور بالکل پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اس لیے ہمارے
نزدیک صحیح یہی ہے کہ جتنا اور جیسا کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے
اسی کے اتباع پر اکتفا کیا جائے اپنی طرف سے مزید کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ دین
دین اضافہ نہیں۔ تفویض کا نام دین حق ہے۔ واللہ اعلم!

ضروری گزارش

محدث کے اس سالانہ زنگیوں کے اکثر قارئین کے ذمہ واجب الادا ہے ہمارے
اتے اجاب ہے اس سلسلے میں تعاون کے بجائے توجہ رکھتے ہیں
والسلام۔ ناظم دفتر

اکرام اللہ ساجد

نقد و بحث

مولانا محمد رفیع خاں گوردھارا

گزشتہ سے پیشہ

حافظ حبان رحمہ اللہ محدث کا فتویٰ

اور

مولانا عزیز زبیدی کا مقابلیہ

قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت میت سے سوال کیا جاتا ہے کیا اس وقت آپ کا وجود مبارک میت کے سامنے ہوتا ہے؟
میت
صرف اوصاف پر کفایت ہوتی ہے؟

شعبان ۱۳۵۲ ہجری کی بات ہے کہ اے۔ ای ٹیل از جوہا نسبہ گ افریقہ نے حضرت محدث روپڑی کی خدمت میں ایک استفتا بھیجا کہ قبر میں منکر نکیر میت سے پوچھتے ہیں "ما هذا الرجل الذي بعث فيكم" یعنی یہ شخص جو تم میں مبعوث ہوا ہے وہ کیا ہے؟ "فبقولنا صلى الله عليه وسلم" حدیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کا وجود مبارک میت کے سامنے ہوتا ہے جن کی وجہ سے کہا جاتا ہے "ما هذا الرجل الذي بعث فيكم" کیونکہ لفظ "هذا" سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اگر لفظ "هذا" کا دوسرا کوئی معنی ہے، مع دلیل و حوالہ بیان کیجیے۔

یہ سوال انہوں نے اپنے ایک عالم سے کیا۔ انہوں نے جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے:
جواب ۱۔ لفظ "هذا" اس مذکور موجودہ شے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے موصوع ہے جو قریب ہو، عام اس سے مذکر حقیقی ہو چکی اور موجود خارجی ہو یا ذہنی۔

روایت مذکورہ فی السوال نیز دیگر روایات مختلفہ فی الباب کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں اور پھر اشارہ کر کے کہا جاتا ہے تو اگر بندہ مومن ہے تو تمام اوصاف کو سن کر جواب دے گا "عبد الله ورسوله" پس لفظ "هذا" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور بعضوں نے روایت مذکورہ فی السوال کی بنا پر

یہ بھی کہا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مکشوف ہوتا ہوا درکشوف ہونے کے بعد کہا جاتا ہو کہ "ما تقول فی هذا الرجل" گمراہ بارہ میں کوئی صریح روایت نہیں ملی۔ وھذہ بشارۃ عظمیٰ للمومن مما ذلک علی اللہ بعد ید اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم فقط (حمدنا اللہ عنہ سہدکے) ۳۵-۳۹

جواب ۷ :- حدیث شریف میں "ہذا" کے ساتھ "الذی بعث" بھی آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول مبعوث سے سوال ہے۔ معنی یہ ہیں کہ جو شخص تم میں رسول کر کے بھیجا گیا تھا اس کو کیا کہتے ہو؟ "ہذا" کے ساتھ جب "الذی" آئے تو وہاں موجود مراد نہیں ہوتا بلکہ موصول مع صلہ کی طرف کلام کا رخ ہوتا ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں "اقتل الذی ہو جندکم" اسی قسم سے ہے جن لوگوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل دکھائی جاتی ہے۔ یہ ان کا اپنا خیال ہے جس کے ذمہ دار وہی ہیں (اے ای پٹیل، حضرت محمدؐ کے روپڑے نے جو جو اے دیا) ہے وہ حسب ذیل ہے:

الجواب :-

"ہذا" کی وضع محسوس مبہر مذکر کے لیے ہے جو قریب ہو یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔ اس معنی کی بنا پر ترجیح اس کو ہے کہ میت کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے پر وہ اٹھ جاتا ہے اور میت کو آپ کا وجود باوجود قریب نظر آئے گا ہے۔ پھر "ہذا" کے ساتھ سوال ہوتا ہے اور یہ کہنا کہ مکشوف ہونے پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ دلیل یہی "ہذا" کا لفظ ہے جب اس کا حقیقی معنی یہی ہے تو مکشوف اتنا پڑے گا۔ تاکہ حقیقی معنی بن سکے کیونکہ حقیقی معنی مقدم ہے جب تک حقیقی معنی نہ بن سکے مجازی نہیں لیا جاسکتا اور یہ کہنا کہ جب "ہذا" کے ساتھ "الذی" ہو تو کلام کا رخ موصول مع صلہ کی طرف ہوتا ہے۔ یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں۔

قرآن مجید میں ہے :-

"وَإِذَا رَأَوْا الَّذِینَ کَفَرُوا یَتَّخِذُونَکَ الْاِهْذَا الْاِهْذَا الذِّہِ

یَذِکَ الذِّہِ" (الانبیاء: ۳۶)

"یعنی اے محمدؐ! کفار جب تجھے دیکھتے ہیں تو تونداق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو (برائی سے) ذکر کرتا ہے؟"

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سانسے ہیں پھر "الذی" بھی ہے۔ اس

سے معلوم ہوا کہ موصول میں ضروری نہیں کہ کلام کا رخ موصول مع صلہ کی طرف ہو۔ ہاں اگر خارجی دلیل سے ثابت ہو کہ شے سامنے نہیں تو اس صورت میں کلام کا رخ صلہ کی طرف ہو سکتا ہے۔ جیسے آیت کریمہ "اٰمَنَ هٰذَا الَّذِي هُوَ جَنْدَلُكَو" میں آیا ہے۔ کیونکہ خدا کی ذات دنیا میں کسی کے سامنے نہیں اور نہ خدا کی ذات کو دنیا میں کوئی دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو خدائے فرمایا "لَنْ تَرٰنِي" (یعنی اے موسیٰ! تو مجھے ہرگز نہیں دیکھے گا۔) اس لیے اس آیت میں "هٰذَا" کا رخ موصول مع صلہ کی طرف ہے اور حدیث "هٰذَا الَّذِي بَعَثَ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت سے کوئی مانع نہیں۔ درمیان سے پردہ کشوف ہو کر رویت ہو سکتی ہے۔ پس اس میں کلام کا رخ موصول مع صلہ نہیں ہو سکتا۔

بعث کا معنی

اس کے علاوہ "الذی بعث" کے یہ معنی کہ ناکہ جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے صحیح نہیں کیونکہ جواب کی عبارت ہے "وہ خدا کا رسول ہے" تو جواب فصول گیا اس لیے "الذی بعث" کے معنی جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا نہ کرنے چاہئیں۔ بلکہ اس کے معنی جو تم میں اٹھایا گیا یا پیدا کیا گیا" کے کرنے چاہئیں۔

دفع دخل

شاید کہا جائے کہ پہلے معنی (جو تم میں بھیجا گیا) لینے کی صورت میں یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا تم اس کو رسول مانتے ہو جو من جواب دے گا کہ وہ خدا کا رسول ہے اور کافر کوئی جواب نہیں دے گا۔ اور یہ مطلب صحیح ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ کیا کافر اس لیے جواب نہیں دے گا کہ اس کو جواب کا علم نہیں ہوگا۔ یا اس لیے جواب نہیں دے گا کہ وہ انکار پر اڑ جائے گا پہلی صورت تو ٹھیک نہیں کیونکہ سوال سے اس کو علم ہو چکا ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ جواب کا اس کو علم نہیں اور دوسری صورت بھی ٹھیک نہیں کیونکہ عذاب کے وقت اڑی کیا؟ نیز احادیث میں صاف آیا ہے کہ کافر کہے گا "ہا ہا ہا لا ادری" یعنی ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں۔ یہ بے علمی کا اظہار بتا رہا ہے کہ پہلے معنی (جو تم

میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، اٹھیک نہیں۔

اگر کہا جائے کہ کثوف مراد لینا اٹھیک نہیں کیونکہ صحابہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود کرنا تو مفید ہو سکتا ہے کیونکہ وہ پہچان سکتے ہیں جنہوں نے نہیں دیکھا ان کے سامنے آپ کا وجود کرنا کیا فائدہ؟ نیز جن کافروں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے۔ جیسے ابو جہل وغیرہ تو وہ پہچان کر کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔ ان کے ”ہا ہا ہا لا ادری“ کہنے کا کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پر دبا دجو کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ خدا کے رسول ہیں تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں اللہ کی کتاب پڑھی پس میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی یعنی اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف میں دیا ان کا حلیہ بتایا گیا ہے۔ اسے دیکھ مومن فراست ایمانی سے اندازہ کرے گا کہ یہ وہی رسول ہیں جن پر میں ایمان لایا ہوں۔ رہے کفار جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ سو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک سے واقف ہیں آپ کی رسالت سے واقف نہیں کیونکہ ان کو ایمان نہیں۔ اگر بالفرض وہ دنیا میں رسالت سے واقف بھی ہوں تو ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناواقفوں میں اٹھتے ہیں۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں۔“

قسط اول میں قارئین کرام نے پڑھ لیا ہے کہ قبر میں میت سے لفظ ”ہذا الرجل“ سے جو سوال ہوتا ہے۔
 هذا اسم اشارہ کا مشاراۃ ذات ہے۔ محدث روپڑی نے اس معنی کو ترجیح دی ہے اس کی وجہ انہوں نے بیان کی ہے وہ ہے کہ لفظ ”هذا“ کی وضع محسوس مبصر کے لیے ہے یہ هذا کا حقیقی معنی ہے قبر میں
 ”هذا کا حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی مانع نہیں ہے۔“

بعض علماء نے کہا ہے کہ جب ”هذا“ کے ساتھ ”الذی“ آئے تو کلام کا رخ موصول مع صلہ کی طرف ہوتا ہے محدث روپڑی علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر جگہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کلام کا رخ موصول مع صلہ کی طرف ہو جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہے۔ ”وَإِذَا رَأَوْا تِلْكَ الْفُلَ الَّذِي يَنْتَحِلُونَ إِلَّا هُمْ وَآلَهُمْ وَآلُ الْأَنْبِيَاءِ“
 يَذْكُرُ الْهَيْكَلُ

یعنی اے محمد! جب کفار تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں۔ کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے

موجودوں کو برائی سے ڈر کرتا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہیں پھر
 "الذی" بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ موصول مع صلہ میں غرضی نہیں کہ کلام کا رخ موصول سے صلہ کی طرف ہو۔
 محدث روپڑیؒ کے اس جواب پر مولانا عبد الجلیل سامرودیؒ کا تغاب (امولانا عبد الجلیل
 سامرودیؒ نے محدث روپڑیؒ کے اس جواب پر تغاب کیا ہے وہ اخبار محمدی اور اخبار اہل سنت والجماعت
 امرتسر میں شائع ہوا۔ انہوں نے تغاب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"تغاب ہے اڈیٹر تنظیم روپڑیؒ پر کہ ایک امر مہموم کو ترجیح دے رہے ہیں اگر کتب احادیث
 کو کھول کر مطالعہ فرماتے تو اس ترجیح کو مہموم ح قرار دیتے دیکھئے صحیح بخاری

باب الیث یستحق الخصال میں بروایت النسخ للاحظہ ہو:

"فَيَقُولَانِ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

باب عذاب القبر میں ہے "فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اسی حضرت النسخ کی روایت
 میں ابن مریہ نے یہ لفظ بیان کئے ہیں "فِي هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي كَانَ يَقْنَأُ بِكُمُ يَقَالُ لَهُ مُحَمَّدٌ كَمَا
 فِي شَرْحِ الصَّدُورِ ص ۱۷۸ الدرامنصور ص ۱۷۸۔"

مسند احمد میں حضرت اسماءؓ کی حدیث میں حسب ذیل لفظ ہیں:

"مَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ قَالَ آتَى رَجُلٌ قَالَ مُحَمَّدٌ"

نیز شرح الصدور ص ۱۷۸ کتاب الروح صفحہ ۱۷۸ الدرامنصور صفحہ ۱۷۸ جلد ۲ مستدرک حاکم صفحہ ۳۸۰

جلد ۱ میں یہ لفظ ہیں:

"أَرَأَيْتَ هَذَا الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ فِيمَكُمْ مَا تَقُولُ فِيهِ وَمَا ذَاتُ الشَّهَادَةِ عَلَيْهِ فَيَقُولُ أَمَّا مُحَمَّدٌ فَيَقَالُ لَهُ نَعَمْ"

مستدرک حاکم کے یہ لفظ ہیں: "فَيَقَالُ آتَى رَجُلٌ فَيَقُولُونَ الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ فِيمَكُمْ قَالَ فَلَا يَهْدِيكَ"

فَيَقُولُونَ مُحَمَّدٌ (الحديث)

یہ روایتیں بیانگ و بدل بتا رہی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکشوف ہو کر سامنے ہونا کسی اجنبی کا مقولہ ہے،

محدثین کا بڑا اعتقاد نہیں۔ آپؐ کا بذات خود سامنے ہونا لغو محض ہے اگر کسی نص نبوی سے بالتحصیل ثابت

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مکشوف ہو کر سامنے ہوئے ہیں تو مع حوالہ کتاب ظاہر و بائیں و الا اس

خیال شیخ سے رجوع فرمائیں (اخبار محمدی ۱۵ دسمبر ۱۹۳۵ء - اخبار اہل سنت والجماعت ۱۶ دسمبر ۱۹۳۵ء)

جواب محدث روپڑیؒ مد ظہر ہی ہے کہ کشف ہوتا ہے کیونکہ لفظ انہا اس کو چاہتا

ہے اس سوال میں (جو لفظ خدا کے ساتھ ہوتا ہے) کئی طرح کے الفاظ آتے ہیں بعض سوال میں محمدؐ

کا لفظ آیا ہے چنانچہ مولوی عبد الجلیل کی پیش کردہ عبارت سے پہلی اور دوسری عبارت میں ہے بعض میں نہیں ہے چنانچہ دوسری چوتھی اور پانچویں میں نہیں ہے چوتھی اور چھٹی میں تو ظاہر ہے کیونکہ اگر سوال میں لفظ محمدؐ ہوتا تو میت اسی رجل یا محمدؐ کے ساتھ سوال کیوں کرتی اور دوسری عبارت میں "فی هذا الرجل محمدؐ ہے منکر نکیر کے سوال میں نہیں بلکہ منکر کے سوال میں لفظ الرجل کا مشار الیہ بتایا گیا ہے خواہ بتانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور راوی ہو۔

تفسیر ابن کثیر میں مومن کے سوال میں لکھا ہے "ما تقول فی هذا الرجل یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال محمد یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو کیا کہتا ہے مردہ کہتا ہے کون ہرشتہ کہتا ہے محمدؐ فاجر یا کافر کہتا ہے سوال میں لکھا ہے "ما تقول فی هذا الرجل قال اتھا رجل قال مُحَمَّدٌ یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے ہر وہ کہتا ہے کونسا شخص ہرشتہ کہتا ہے محمدؐ جلد ۵ ص ۲۶۶

ان مختلف الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مشکوٰۃ ہو کر سامنے آتا ہے تو بعض میتیں صرف چہرہ کو دیکھ کر معلوم کر لیتی ہیں کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعض میتوں کو اس میں تردد رہتا ہے تو وہ کہتے ہیں یا محمدؐ یا محمدؐ یا محمدؐ کہہ کر سوال کرتی ہیں یعنی کیا یہ محمدؐ ہے یا یہ کونسا آدمی ہے ہرشتہ اس کے جواب میں نعم کہتے ہیں یا محمدؐ کہتے ہیں یعنی ہاں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ہر صورت یہ تمام الفاظ ہمارے سوا یہ ہیں کیونکہ یہ پورا جملہ نہیں اس کے آگے کچھ عبارت مفرد ہے زیادہ مناسب یہ ہے کہ هذا تقدیر ہو کیونکہ اس سے پہلے منکر نکیر کے سوال میں هذا ہے اس بنا پر پہلے سوال کی عبارت اصل یوں ہوئی اھذا مُحَمَّدٌ لھذا یعنی کیا یہ محمدؐ یا کیا محمدؐ ہے یہ اور دوسرے سوال کی اصل عبارت یوں ہوئی ائی رجل ہذا یعنی یہ رجل کونسا ہے گویا ان سوالوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی میت کے سامنے ہے اس کی طرف وہ اشارہ کر کے سوال کرتی ہے۔

نا غریبہ! خیال فرمائیں کہ جن دلائل کو مولوی عبد الجلیل ہمارے مقابل میں پیش کر رہے ہیں وہ دراصل ہمیں مضید ہیں مگر مولوی عبد الجلیل غلط فہمی سے اسے بالحدیث کا مسلک ہی نہیں سمجھتے خدا ایسی غلط فہمی سے بچائے اور عبارت میں غور و تدبر کی تو فیق بخشنے آمین ثم آمین!

مولوی عبد الجلیل نے اس پر دوبارہ تعاقب کیا ہے جو پرچہ محمدؐ کی یکم مارچ ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا ہے لیکن اس میں کوئی نئی بات نہیں لکھی تو اس میں بھی ہماری تائید ہوتی ہے انہوں نے لکھا ہے :

آپ (محدث روپڑی) کی کل سعی اور آپ کا اس المال صرف لفظ هذا ہے آپ کے الفاظ اور یہ کہنا کہ کثوف ہونے پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ دلیل یہی هذا کا لفظ ہے یہ عبارت بالکب و دل پکار رہی ہے کہ کل پوچنی

آپ کی اس لفظ "هَذَا" میں مضمر ہے۔ فاضل روپڑی کوئی ال وغیرہ کے ایک متقلد کے حاشیہ نے دھوکا دیا ہے۔ عاجز نے صاف لکھا تھا کہ نص نبوی حاضر کریں، کیا خوب نص نبوی حاضر کی۔ اگر عبد المصطفیٰ بریلوی والی جماعت کو خبر لگ جائے گی تو حافظ صاحب کو پالیکیوں میں لیے پھریں گے۔ جل بلا لہٰذا حافظ صاحب یہ تو فرما دیجئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات بھی مکشوف حاضر کیے جاتے ہیں۔ آن واحد میں بے حساب اموات سے سوا ہوتا ہے تو آپ کی ذات کو تو اسی حاضری سے فرصت نہ ملتی ہوگی۔

حافظ صاحب! اب بخاری شریف وغیرہ میں حدیث تہزل کو بھی کھول کر ملاحظہ فرمائیں، ہر قتل نے اپنے ترحان سے کہا "اِنَّی سائلُ هذا عن هذا الرجل" آپ تو ہر قتل کے پاس بھی مکشوف ہو کر حاضر کئے گئے ہوں گے۔ کیونکہ "هذا الرجل" حاضر کے لیے ہوتا ہے ابن مردودہ والی حدیث جس میں موجود ہے "ما كنت تقول في هذا الرجل الذي كان بين اهلهم الذي يقال له محم" بلکہ حاکم فتا جلد ۱ کی روایت فیقال له ما تقول في هذا الرجل الذي كان نيكه وما ذات شهده به عليه فيقول اى رجل فيقولون الرجل الذي كان فيكم قال فيقتدى له قال فيقولون محمد

حضرات الفطر حدیث "هذا الرجل" یہ شخص اس کے بعد ہی کہا جاتا ہے وہ جو تم میں تھے۔ وہ نہیں محمد کہا جاتا تھا۔ نیز دوسری روایت میں ہے وہ جو تم میں تھے تیری گواہی ان کی بات کیا ہے پھر اس کا سوال کہ کون شخص؟ لہٰذا کہ جواب وہ جو تم میں تھے۔ انا کہتے ہوئے بھی نہ سمجھا۔ تو لاکھ کہیں گے محمد وہ محمد میں صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ عدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہاں قدر واضح ہوتے ہوئے حافظ صاحب روپڑی نے وہی ایک لفظ کی مانگ اڑا

رکھی ہے۔ بات یہ ہے کہ خلق سے بات کیسے اترے؟ آپ لوگوں کے اصول مختصر کے پابند رہ کر کلام نبی کا اس پر وار نہ کرنا چاہتے ہیں مکشوف ہو کر آپ کا حاضر کیا جانا کسی خفی کا مسلک تھا۔ مثل عینی وغیرہ فاضل قسطلانی نے لکھا ہے:

"قيل يكشف للميت حتى يرى النبي صلى الله عليه وسلم وهي بشرى عظيمة للمؤمن ان صم ذالك ولا يظفر حديثا مرويا في ذالك والقائل به انه امتنع لمجرد ان الاشارة لا تكون الا للحاضر لكن يجعل ان تكون الاشارة لما في الذهن فيكون مجازا" لکھا گیا ہے کہ میت کے لیے پردہ اٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے یا اگر صحیح ہو تو مومن کے لیے بڑی خوشخبری ہے اور ہمیں اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث معلوم نہیں۔ اور جو اس کا قائل ہے۔ اس کی دلیل صرف یہی ہے کہ اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن احتمال ہے کہ اشارہ حاضر فی الذہن کی طرف ہو پس یہ مجاز ہوگا۔

خاتم المتحذین حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ کے مسئلہ سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ سوال کی سرخری یہ ہے:

"وهل يكشف له في الحال حتى يرى النبي صلى الله عليه وسلم ويقول له ما تقول في هذا الرجل"

فاجاب لقولہ بعد ان اعدا السؤال فقال اما الثامن وهو هل يكشف له حتى يرالني صلى الله عليه وسلم
فالجواب ان هذا لم يرد في خبر صحيح وانما اذاعه من لا يحقهم به بغير مستند الا من جهة قوله في
هذا الرجل وان لا شارة بلفظة لا تكون الا للحاضر وهذا الامعنى له لانه حاضر في الذهن
بهر حال یہ سوال کہ میت کے لیے پردہ کھولا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے
سواس کا جواب یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آیا صرف اس شخص نے بلا دلیل اس کا دعویٰ کیا ہے
جس کی بابت حجت نہیں صرف یہ دلیل پیش کی ہے کہ لفظ کا اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے حالانکہ حاضر
کے لیے ہونے سے کشف لازم نہیں آتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذہن میں حاضر ہیں۔

میں کتاہوں یہ چوٹ ہے ابن حجرہ کی عینی شرح الصدور کے ص ۱۱ میں بھی یہ سوال مع الجواب مسطور ہے حافظ کا
سکڑ میں طبع ہوا ہے۔ خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجرہ سے سوال ہوا کہ آپ مشکوٰۃ کر دیئے جاتے ہیں کہ جس سے
بیت آپ کو دیکھ لیتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے ما نقول فی هذا الرجل حافظ ابن حجرہ نے جواب دیا کہ کسی ایک بھی صحیح حدیث
میں نہیں آیا یہ ایک مہمل لا یتعجبہ بننے یہ دعویٰ کیا ہے بلا دلیل صرف حضور کے زمان کو اپنا مستنبط بنالیا ہے اور
بنا ہے کہ لفظ کا اشارہ صرف حاضر کے لیے ہی ہوتا ہے حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کوئی بات نہیں کیونکہ
پ حاضر فی الذہن ہیں۔

حضرت حافظ صاحب یا تو کوئی صحیح حدیث پیش کریں یا لفظ کا سچا چھوڑیں ابن حجرہ قسطلانی سیوطی بڑے
زور سے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں صرف یہی لفظ اڑا دیتے کہ کتنے کا سہارا ہے۔
حضرت اہل حدیث بیدار ہوں کہ جو مولانا روپڑی نے طریقہ اختیار کیا ہے وہ اعلیٰ شیعوں کا ہرگز نہیں مولانا روپڑی
نے ایک درج فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ براہ راست ہمیں مضمون نہیں بھیجتے آپ کی شکایت بالکل بے جا ہے
تنظیم کے ایڈیٹر کو لائق ہیں مگر مد رک رکوع کے مضامین آپ نے عاجز نے مضمون دینا موقوف کر دیا۔ تنظیم
ہے۔ اخبار محمدی ایک دینی اخبار اور مبلغ حق ہے۔ میں نے اپنا مضمون صرف اخبار محمدی کو دیا تھا۔ اخبار المہند
نے اس سے نقل کیا ہے بندہ ممنون ہے۔
(ابو عبد الباقی محمد عبد الجلیل سامرودی)

محدث روپڑی کا جواب | مولوی عبد الجلیل کا مقصد یہ ہے کہ ان کے مضمون پر کوئی تنقیدی نظر نہ ڈالے بلکہ
جو کاتوں شائع کرو یا جائے حالانکہ تنقیدی نظر فریقین کے لیے مفید ہے کیونکہ تبادلہ
خیالات سے حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ اگر بالفرض فریقین کی سمجھ میں نہ آئے یا خدا نخواستہ کوئی اپنی بٹ نہ چھوڑے
تو کم از کم ناظرین کو غور و تدبر کا موقع مل سکتا ہے آپ نے حدیث کے الفاظ کی بے ادبی کرتے ہوئے گستاخانہ نہیں کیا
کہ: حافظ صاحب روپڑی نے وہی ایک لفظ کی مانگ اڑا رکھی ہے۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو کس برے لہجہ میں بیان کیا گیا ہے معاذ اللہ! ہم تو خبر برے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب تو ملحوظ رکھیے پھر آپ کے حسبِ رُغمِ اڈیٹر تنظیم نے خدا کی ٹانگ اڑا رکھی ہے تو آپ نے اس کے مقابلہ میں پیش کیا کیا ہے صرف ابنِ مردویہ یا حاکم کی روایت حالانکہ ان میں بھی یہی خدا کا لفظ ہے باقی الفاظ مثلاً الذی کان بین اظہر کہ الذی یقال لہ محمد و وہ جو تم میں تھے اور جنہیں محمد کہا جاتا تھا وغیرہ یہ روایتیں کسی طرح ہمارے خلاف نہیں چنانچہ آپ کے پہلے تعاقب کے جواب میں تفصیل ہو چکی ہے۔ لیکن دوسرے تعاقب میں آپ کا ان کو دہرانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ضمیر غائب سے دھوکا لگا ہے۔ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ضمیر غائب اس کی طرف لوٹ رہی ہے جو کلام کے ذمت مخاطب کے سامنے نہ ہو۔ حالانکہ یہ ڈبل غلطی ہے اور یہی غلطی ایڈیٹر اہل سنت والجماعت کو لگی ہے چنانچہ انہوں نے اپنے پرچہ ۲۴ جنوری و یکم فروری ۱۹۲۶ء میں الفاظ حدیث پر توجہ دلاتے ہوئے ضمیر غائب ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدم حضور ثابت کیا ہے۔ خیر اس غلطی کی تفصیل سنئے۔

(۱) ضمیر کے لوٹانے میں کبھی لفظ کی رعایت ہوتی ہے کبھی معنی کی۔ قرآن مجید میں ہے: "ومن الناس من یقول آمنا باللہ و بالیوم الآخر و ما ہم بمؤمنین" بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور (حقیقت) وہ ایمان والے نہیں۔ اس آیت میں "وہ" کا لفظ مفسر ہے اور معنی اس کا جمع کا ہے لفظ کی رعایت کریں تو اس کی طرف مفسر کی ضمیر لوٹے گی۔ اگر معنی کی رعایت کریں تو جمع کی لوٹے گی چنانچہ اس آیت میں "یقول" کی ضمیر مفسر کی طرف لوٹ رہی ہے اور "و ما ہم بمؤمنین" جمع کی اسی طرح قرآن مجید میں ہے کل نفس ذالقة الموت ہر نفس موت چکھنے والا ہے عربی میں چونکہ نفس کا لفظ مؤنث ہے اس لیے اس کی طرف ضمیر مؤنث کی لوٹی ہے خواہ مراد اس سے مرد ہو یا عورت اسی طرح قرآن مجید میں ہے: "واذ انزلنا الذین یخندون^{کفوا} ذلک الاھل و اھل الذی یدکر العتکر" اے محمد! کفار جب تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو درباری سے ذکر کرتا ہے؟ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہیں۔ مگر ضمیر غائب لوٹ رہی ہے گویا "الذین" کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے بلکہ ایسے مقام میں "الذین" کے لفظ کی رعایت زیادہ فصیح ہے۔ چنانچہ قواعد عربیہ میں اس کی تصریح کی ہے حالانکہ مکمل سامنے ہوتا ہے مگر "الذین" کے لفظ کی رعایت مقدم کی گئی ہے۔ مولوی عبد الجلیل اور ایڈیٹر اہل سنت دونوں بچا رہے ضمیر غائب کی الجھن میں پھنس کر راجح بات سے غائب ہو گئے اناللہ!

۲۔ مولوی عبد الجلیل نے بخاری وغیرہ کے حوالے سے ہر قول کی حدیث کا نمبر نقل کیا ہے۔ "انی سائلک هذا عن هذا الرجل اس عبارت میں پہلے "هذا" سے اوسفیان کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یعنی ہر قول دوم کے بادشاہ نے اوسفیان کے ساتھیوں سے اپنے زحمان کی معرفت کہا کہ

میں ابوسفیان سے محمدؐ کا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولوی عبد الجلیل کا اس سے یہ مقصد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرقل کی مجلس میں نہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے استعمال میں سامنے ہونا شرط نہیں۔ کما خروی معاملات کو دنیوی معاملات پر قیاس کیا ہے حالانکہ آخرت کا معاملہ عموماً خرق عادت ہے۔ مثلاً قبر کا فراخ ہونا یا تنگ ہونا یا قبر کا میت سے باتیں کرنا جنت اور دوزخ کی طرف سے کھڑکی کا کھلنا یا سانپ بچھو کا اس پر مسلط ہونا وغیرہ وغیرہ یہ تمام سلسلہ خرق عادت کی قسم سے ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکشوف ہونا کوئی عجیب امر نہیں اور ظاہر ہے کہ لفظ کا رجب حقیقی معنی بن سکے تو مجازی معنی جائز نہیں۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں مکشوف مانا جائے تاکہ حقیقی معنی لہراد ہو سکے۔ بہ خلاف ہرقل کی حدیث کے کیونکہ یہ دنیوی معاملہ ہے اور دنیوی معاملہ میں خرق عادت کی صورت میں حقیقی معنی متروک ہو سکتا ہے جیسے عرب کہتے ہیں رائیت اسد ایرمی میں نے شیر کو دیکھا کہ وہ تیر اندازی کرتا ہے۔ چونکہ شیر کا تیر اندازی کرنا خرق عادت ہے اس لیے شیر کا حقیقی معنی بھوڑ کر اس سے مراد بہادر آدمی لیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہرقل کی حدیث میں خدا کے لفظ کو سمجھ لینا چاہیے کیونکہ ہرقل کی حدیث میں بھی یہی صورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو خط لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس خط کو پڑھ کر دریافت کیا کہ محمدؐ کے رشتہ داروں میں سے یہاں کوئی موجود ہے؟ پتہ لگا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی موجود ہیں۔ اس نے ان کو بلا کر ابوسفیان کو اپنے سامنے بٹھایا اور ساتھیوں کو ابوسفیان کے پیچھے بٹھا کر مذکورہ بالا گفتگو شروع کر کے ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیے۔ اس سارے واقعہ سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود نہ تھے اور مکشوف مانا خرق عادت ہے۔ اس لیے مجازی معنی لہراد ہو گا۔ غرض آخرت کے معاملہ میں خرق عادت ایسا ہی ہے جیسا دنیوی معاملہ میں موافق عادت اور موافق عادت ہونے کی صورت میں حقیقی معنی مجازی پر مقدم ہے۔ جب حقیقی بن سکے تو مجازی جائز نہیں۔ پس قبر میں سوال کی حدیث میں مکشوف مانا چاہیے تاکہ خدا کا حقیقی معنی قائم رہے۔ ہاں اگر مجازی معنی پر کوئی دلیل ہوتی۔ جو حقیقی معنی لہراد لینے سے مانع ہوتی تو اس صورت میں حقیقی معنی متروک ہو سکتا۔ جیسے آیت کریمہ اَمِنْ هَذَا الذِّي هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ فِي الْاَرْضِ اور گزر چکا ہے آپ کوئی وجہ نہیں۔

(۳) مولوی عبد الجلیل نے لکھا ہے کہ ہرقل نے ترجمان سے کہا اِنِّیْ سَآئِلُ هَذَا عَنْ هَذَا حالانکہ ہرقل نے اپنے ترجمان کی وسالت سے ابوسفیان کے ساتھیوں سے یہ کہا۔

اصول مختصر سے مولوی عبد الجلیل کی مراد حقیقت مجاز کا مسئلہ ہے۔ حالانکہ قسطلانی نے آپ کی نقل کردہ عبارت میں تصریح کی ہے کہ حاضر فی الذہن کی طرف اشارہ مجاز ہے اور کتب عربیہ میں خدا کو

اشارہ حسیہ کی قسم سے شمار کرنا اور هذا کو قریب کے لیے اور ذالک کو بعید کے لیے یا ذالک کو متوسط کے لیے اور ذالک کو بعید کے لیے کہنا اور جب هذا کا استعمال معقول (حاضر فی الذہن) میں ہو تو اس وقت یہ کہنا کہ اس کو بمنزلہ محسوس کے قرار دے کر اس میں هذا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اسی بنا پر ہے کہ حاضری الذہن هذا کا حقیقی معنی نہیں اور حاشیہ خضریٰ شرح ابن عقیل لا لافقیہ کے ص ۱۷ میں ہے: "اسم الاشارة وهو ما وضع لمشار الیه ای حسا بالاصبع ونحوہ فلا بد من کونه حاضرا محسوسا بالبصر فما استعماله فی المعقول والمحسوس بغیرہ مجاز یعنی اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ کے لیے موضوع ہو جس کی طرف انگشت وغیرہ سے حسی اشارہ ہو پس ضروری ہے کہ وہ حاضر ہو اور بصر کے ساتھ وہ محسوس ہو پس معقول میں یا محسوس میں اس کا استعمال جس کی طرف انگشت وغیرہ سے اشارہ نہ ہو سکے مجاز بنے تاج العروس شرح قاموس جلد ۱۲ ص ۲۲ میں امام ابو الہیثم سے نقل کیا ہے: "ذا اسم کل مشار الیہ معاین براہ المتکلم والمخاطب یعنی ذالک ہر مشار الیہ کا اسم ہے جس کا مشابہ ہو۔ منکم مخالف اس کو دیکھتے ہوں۔ غرض اس قسم کی تصریحات ائمہ عربیت وغیرہ کی بہت ہیں جن کا اصل یہی ہے کہ حاضری الذہن هذا کا حقیقی معنی انہیں۔ بلکہ مجازی ہے پس حقیقت مجاز کے مسئلہ کو اصول مختصر کہہ کر هذا کے حقیقی مجازی معنی میں فرق نہ کرنا یہ ڈبل غلطی ہے۔ اگر الفاظ کے معانی میں حقیقت مجاز کا فرق نہ کیا جائے تو سب معاملہ ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ مثلاً آیت کریمہ تعذی اللہ الہا بآئیک ابراہیم واسحاق" میں چچا کو بھی باپ کہا ہے اس بنا پر کوئی کہے کہ آیت وراثت "ولا یوید لکل واحد منهما السدس" میں چچا بھی مراد ہے اگر باپ وغیرہ نہ ہوں تو چچا اس کے قائم مقام ہو گا تو کیا یہ صحیح ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ چچا حقیقتاً باپ نہیں بلکہ اس کو مجازاً باپ کہا ہے۔ اس قسم کی بہتری امثلیہ ہیں جو مسئلہ حقیقت مجاز سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کو اصول مختصر کہنا غلطی ہے۔

۵۔ قسطلانی کی عبارت اس محل میں پیش کرنا غلطی ہے کیونکہ قسطلانی نے حاضری الذہن کا احتمال ذکر کر کے اس کو مجاز کہہ دیا ہے۔ گویا اس سے اس صنف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کا احتمال کمزور احتمال ہے جس کا استعمال بلا دلیل درست نہیں پس یہ عبارت درحقیقت ہماری موید ہے۔ مگر مولوی عبد الجلیل غلطی سے اپنی موید سمجھ رہے ہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ عینی کا خیال اس بارہ میں راجح ہے۔ اگرچہ حافظ ابن حجر کی تحقیق عموماً بڑی ہوتی ہے مگر حکم لکل جواو کبوة اس مسئلہ میں عینی کی رائے کو ترجیح ہے۔ اور حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ آپ حاضری الذہن ہیں اس کی بابت عرض ہے کہ کیا یہ حقیقی ہے یا مجازی اور معلوم ہو چکا ہے کہ مجازی ہے پس عینی کا خیال درست ہو پس ان پر چوٹ کے کچھ معنی نہیں (حارثی)

آرٹ اور اسلام

ماہنامہ "طلوع اسلام" کے جولائی ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں "آرٹ اور اسلام" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں آرٹ اور آرٹ میں موسیقی کو بلکہ مزامیر کو قرآن کے مطابق، قابل قبول اور جائز ثابت کیا گیا۔

ماہنامہ "طلوع القرآن" اگست کے شمارہ میں جناب ایم ایم اے (مفت آباد، لاہور) نے ایک مضمون بعنوان "نتیجہ گانا اور مذہب و تقدس" لکھ کر طلوع اسلام کا تقاب کیا اور یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم کی رو سے موسیقی ایک نوا اور ناجائز فعل ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ صاحب موصوف نے تقاب کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مندرجہ بالا دونوں ماہنامے (طلوع اسلام اور طلوع القرآن) بڑی غم خویش قرآنی فکر کے حامل ہیں، دونوں احادیث و آثار اور تبارک کا بیشتر حصہ وضعی قرار دیتے ہیں۔ لہذا انہیں ناقابلِ حجت اور ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں، ان میں سے صرف وہ حدیث یا روایت ان کے نزدیک قابلِ اعتبار ہے جو ان کے زعم کے مطابق ہوں۔ دونوں قرآن کریم کے معانی و مطالب کے تفہیم کے لیے تفسیر القرآن بالقرآن پر زور دیتے ہیں لیکن ان قرآنی فکر کے حاملین کے فکر میں احادیث و آثار سے انکار کے بعد جس قدر تضاد و تخالف واقع ہو سکتا ہے وہ اس مضمون سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

اس مضمون میں چند باتیں ایسی تھیں جو محلِ نظر ہیں۔ لیکن ہم ان سے صرف نظر کرتے ہوئے مضمون کا پورا متن من و عن حوالہ قارئین کرتے ہیں۔

ادب الحروف کو اس عنوان پر اس لیے قلم اٹھانا پڑا کہ محض تورات نے جو حضرت داؤد اعظم کی ناموس کو داغدار کر رکھا ہے۔ قرآنی فکر کے حامل ماہنامہ طلوع اسلام نے ان کی ہم نوائی کرتے ہوئے جہ لائی ۱۹۶۹ء میں آرٹ اور اسلام کے عنوان سے موسیقی کی نفی مرنجی کے تحت صفحہ ۱۱ سطر ۲۵ پر لکھا ہے :

”جہاں تک آرٹ اور آرٹ میں موسیقی کا تعلق ہے حضرت داؤد علیہ السلام کو اس میں بڑا نمایاں مقام حاصل ہے۔ انہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی تھی اور مصری اور بابلی مزامیر (سازوں) کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کیے تھے جن میں قانون اور بربط خاص طور پر مشہور ہیں۔ ذبور ان (حضرت داؤد) کا معیضہ ہے۔ اس میں ہر باب سے پہلے یہ ہدایات موجود ہیں کہ سردار منحنی (گوتیا) ان آیات کو کس ساز کے ساتھ گائے۔ اس کے آخری باب میں ہے ”قرآنی چھوٹتے ہوئے خدا کی ستائش کرو۔ بن اور بربط چھڑتے ہوئے اس کی ستائش کرو۔ طبلہ بجاتے ہوئے اور ناچتے ہوئے اس کی ستائش کرو۔ بلند آواز سے بجانے بجا کر اس کی ستائش کرو۔ خوش آواز بجانے بجا کر اس کی ستائش کرو۔“ (تورات صفحہ ۶۱) شائع کردہ برٹش اینڈ فارن سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

اس میں شبہ نہیں کہ تورات میں بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے۔ لیکن ہم موسیقی سے متعلق اس بیان کو اس لیے قابل قبول سمجھتے ہیں کہ جب قرآن میں جنتی معاشرہ میں موسیقی کی محفلوں کا ذکر ہے تو یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فن کی تہذیب و ترمیم کی۔ ہذا اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود ہمارے ہاں کی کتب اجادیت کی مثنویوں میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد بابے کے ساتھ گایا کرتے تھے (حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری) کتب احادیث میں ہے کہ مسجد نبوی میں عیشیوں کا ناچ ہو رہا تھا اور حضور نبی اکرم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے (اقتباس پہلی ایک ضروری نوٹ) اقتباس بالا میں لفظ موسیقی کی خودیہ تعریف کی گئی ہے مزامیر یعنی گانے بجانے کے ساز طبلہ، سازنگی، بجانچہ، گھنگرہ وغیرہ بجانا، ناچنا اور گانا اب اقتباس بالا کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصہ اقتباس

۱۔ حضرت داؤد کو گانے بجانے میں بہت نمایاں مقام

حاصل ہے انہوں نے عبرانی موسیقی کو مدون یعنی کتابی شکل میں محفوظ کیا تھا اور اپنے عصری اور بائبل سازوں طبلہ سازنگی، وغیرہ کو ترقی دے کر بہت سے نئے ساز ایجاد کیے تھے۔

۲۔ حضرت داؤد پر زبور نازل ہوئی اس میں ہر باب سے پہلے ہدایات و درج ہیں کہ اسے سردار مثنیٰ یعنی ماہر گویا فلاں ساز کے ساتھ گائے یعنی یہ باب طبلہ سازنگی کے ساتھ گایا جائے۔ یہ دو تارے کے ساتھ اور یہ بھانجھ کھنجر وغیرہ کے ساتھ۔

۳۔ زبور مقدس کے آخری باب میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ستائش یعنی حمد و تعریف قرآن مجید کی ستمار کی سرچھی کر طبلے پر تھاپ لگا کر اور بلند آواز بھانجھ گھنگرہ بجا کر اور نوح گاکر کی جائے۔

۴۔ اگرچہ تورات میں بہت کچھ تعریف ہو چکی ہے لیکن زبور مقدس کا گانا بجاٹے سے متعلقہ مذکورہ بیان اس لیے قابل قبول ہے کہ خود قرآن کریم میں جنتی معاشرہ میں موسیقی یعنی نوح گانے کی محفلوں کا ذکر موجود ہے جس کی تائید حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت داؤد باجے کے ساتھ گایا کرتے تھے آپ کا گانا حدود کے اندر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف ہوتی تھی گندے عشقہ گانے نہیں تھے۔

۵۔ کتب احادیث سے ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں جمیعوں کا نوح ہو رہا تھا اور حضور نبی اکرم حضرت عائشہؓ کے ساتھ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے (اب پانچوں نمبروں پر بالترتیب تبصرہ ملاحظہ فرمائیں)

تبصرہ نمبر ۱ :- • پہلے نمبر پر حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا ہے کہ موسیقی یعنی گانے بجانے میں ان کو بہت نمایاں مقام حاصل ہے جس میں سرفہرست یہ ہے کہ آپ نے عبرانی موسیقی کو مدون یعنی کتابی شکل میں محفوظ فرمایا تھا۔

☆ :- دوسرے یہ کہ آپ نے موسیقی کے سازوں طبلہ سازنگی، اکتارہ، دو تارہ، طنبورہ، کھنجر اور گھنگرہ ڈس وغیرہ کی قسم کے گانے بجانے کے نئے نئے ساز ایجاد کیے تھے۔

ﷺ :- حضرت داؤد علیہ السلام جو صرف نبی اور رسول ہی نہیں تھے بلکہ ایک ذمہ دار اسلامی سلطنت کے سربراہ بھی تھے ان کی طرف یہ منسوب کرنا کہ آپ نے فن موسیقی کو مدون فرمایا تھا، اگر اسے ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے تو یہ چیز سب سے آتی ہے کہ آپ نے ایسی نادر و نادر کتاب تصنیف فرمائی تھی جس میں موسیقی کے راگوں کے اوزان ساز گانا۔

پادا وغیرہ مرتب فرمائے۔ اور اس میں راگنی، ہمیر دین، بہاگ، اٹھمیری، اکتال وغیرہ کی قسم کے پچھ راگوں کے گڑ بھی پوری صحت کے ساتھ درج فرمادے کیونکہ تدوین کا معنی ہے اسی چیز کو کتابی شکل میں مرتب و محفوظ کرنا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ جو نہ صرف یہ کہ خدا کے جلیل القدر نبی، رسول تھے بلکہ ایک عظیم اسلامی سلطنت کے سربراہ بھی تھے، محرف تورات جنہیں گویوں کا استاد و قائد ثابت کیا ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں ان کا کیا فریضہ نبوت و رسالت تھا اور بحیثیت سربراہ سلطنت ان کا مخصوص فرض منصبی کیا تھا نیز اس حقیقت پر بھی غور کیا جانا لازم ہے کہ کیا کسی بھی نبی رسول نے اللہ کی کتاب کے سوا اور کتاب تصنیف کی اور اپنے پیچھے چھوڑ دی تھی؟

حضرت داؤد کا فرض منصبی بحیثیت رسول

۴۔ سب سے پہلے تو اس

تاریخی حقیقت ثابتہ سے انکار کی گنجائش تک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی نے صرف ان کتابوں کو کھا، کھوایا، مرتب، تدوین اور محفوظ فرمایا جو ان کی طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے الگ الگ نازل کی گئی تھیں اور انہی کتابوں کے خداوندی پیغام کو عوام تک پہنچانا ان کا رسولی فریضہ تھا جس کے متعلق قرآن حکیم نے نفی اثبات کے حصر کے ساتھ اعلان کر رکھا ہے :

﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ اَنْ يَبْلُغَ﴾ اللہ کے ہر رسول کا فرض منصبی صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔

اب اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد کا فریضہ جلیل القدر نبی سے الگ کس خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا کہ آپ نے فن موسیقی سارے لگایا، پادا، کے ادنان مرتب و تدوین کرنا شروع کر دیے ہوں؟

حضرت داؤد کا فرض منصبی بحیثیت سربراہ ریاست

حضرت داؤد کا

فرض منصبی بحیثیت نبی، رسول تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اللہ کے پیغاموں کو کسی ملک و املاہ کے بغیر عوام تک پہنچانا۔ اب قرآن کریم کے الفاظ میں آپ کا وہ فریضہ ملاحظہ ہو جو خدا تعالیٰ

کی طرف سے آپ پر بحیثیت سربراہ ریاست فرض کیا گیا تھا۔ سورہ "ص" میں ارشاد ہوا ہے:

"يَا دَاوُدَ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ" (۱۱)

اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین کے ایک حصے کا خلیفہ مقرر فرمایا ہے پس آپ لوگوں کے مقدمات ٹھیک ٹھیک فیصلے فرمائیے۔

اب دیکھئے کہ ایک طرف آپ کے ذمہ نبوت و رسالت کے عظیم فرائض کا بوجھ ہے اور دوسری طرف حکومت و سلطنت کی گونا گوں ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہیں عوام کی رہبری عامہ، روٹی، کپڑا، مکان اور علاج کی بہم رسانی سلطنت کے داخلی اور خارجی انتظامات سرحدوں کی حفاظت، دشمن کے مقابلے کے لیے فوجی ٹریننگ اور شاہ رواداروں کی تیاری، کتنی عظیم ذمہ داریاں ہیں جن سے سبکدوش ہونا آپ کا فرض منصبی

قراردیا گیا تھا۔ محرف توراة کا بہتان عظیم

* اس کے برعکس محرف توراة کا بہتان ملاحظہ فرمائیں جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے موسیقی کے بہت سے آلات ایجاد کیے تھے کیا نبوت و رسالت اور حکومت و سلطنت کی مذکورہ بالا ذمہ داریوں کے بارگراں میں دبے ہوئے حضرت داؤد کے متعلق یاد کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے طبلہ، سازنگی، ستار، اکٹارہ، ٹمپور، کھنجر، اور گھنگرہ وغیرہ موسیقی کے آلات ایجاد کرنا بھی فریضہ نبوت و سلطنت قراردے لیا ہو جب کہ آپ کی شخصیت اور سلطنت کے متعلق حضور نبی اکرمؐ کو مستقل مزاجی کا درس دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

"اِصْبِرْ عَلٰۤی مَا يَفْعُلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدًا دَاوُدَ ذَا الْاَبْيَرِ
اِنَّهُ اٰذًا بَكْرًا مَّا نَسَخَرْنَا الْجِبَالُ مَعَهُ يُسِجِّنُ بِالْعَشِيِّ
وَالْمَشْرِاقِ وَالْقَلَمُ مَحْشُورَةٌ كُلُّهَا اَذًا بَكْرًا وَشَدَّ دُنَا
مُلْكُهُ وَاَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخِطَابِ" (۲۳۸)

اے رسول، لوگ آپ کو جو کہتے ہیں (کہ ہنوز آپ کو حکومت میسر نہیں آئی اس پر) آپ تحمل مزاجی کے ساتھ کام کرتے جائیں اور ہمارے بہت سی قوتوں دلے بندے داؤد (اعظم) کو یاد کریں بیشک وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا۔ بلاشبہ ہم نے (الجبال)

پہاڑی باشندوں کو اس کے ماتحت پایادہ اس کے ساتھ شام و صبح مل کر اپنے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے تھے اور الطیرا آزاد قبائل اس کے گرد جمع ہوئے پائے وہ سب کے سب اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اور ہم نے اس کی حکومت کو بہت مضبوط پایا کیونکہ ہم اسے راجحمت ادا نائی عطا فرمائی تھی یعنی مقدمات کو صحیح طور پر فیصلہ کرنے کا ملکہ عطا فرمایا تھا واضح رہے کہ :-

● داؤد ذالایید کا لفظی معنی ہے بہت سی طاقتوں والا یعنی طاقتور داؤد، جس طرح سکندر اعظم ایک اصطلاح ہے اسی طرح "داؤد ذالایید" ایک اصطلاح ہے بمعنی داؤد اعظم۔ ایسا کا لفظ یاد کی جمع ہے بمعنی قوت اور ایسا بمعنی بہت سی قوتیں حضرت داؤد کی بہت سی قوتوں میں سے اولین قوت ان کا ذاتی عزم و استقلال تھا جس کی بدولت آپ ایک مضبوط حکومت کے سربراہ ہو کر داؤد اعظم کہلائے۔ آپ کی دوسری قوت نبوت و رسالت تھی جس کی بدولت آپ کا رابطہ ہر آن خدا قنائے کے ساتھ قائم تھا۔ تیسری قوت آپ کی ہمہ جہتی مضبوط حکومت تھی جس کی سرحدیں اس قدر مضبوط تھیں کہ پہاڑی لوگ اور سرحدی قبائل جو سرحدوں پر ملنے والی دو حکومتوں میں سے کسی کی بھی ماتحتی اختیار نہیں کرتے بلکہ دونوں طرف سے مال کھاتے رہتے ہیں سب کے سب حضرت داؤد علیہ السلام کے مطیع و فرمانبردار تھے بلکہ ان کی ہر جہ میں ان کے ساتھ مصروف عمل رہتے تھے اور آپ کی چوتھی قوت تھی عدل و انصاف کے ساتھ مقدمات کے فیصلے کرنا۔ کیا کوئی صاحب عقل سلیم یہ کہہ سکتا ہے کہ قوتوں والے داؤد کی ایک قوت ناچنا اور گانا بھی تھی جس کی بدولت آپ داؤد ذالایید یعنی داؤد اعظم ثابت ہوئے۔

● آیات بالا ۳۸ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درس استقلال دینے کے لیے حضرت داؤد اعظم کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے کہ جس طرح انہوں نے اسلامی حکومت کو ہر محاذ سے طاقتور بنایا تھا اسی طرح آپ کو بھی ہمہ جہتی خود کفیل مضبوط اسلامی حکومت قائم کرنا اور اس کی گونا گوں ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے۔

(جاری ہے)

حافظ منظور احمد ایم اے
لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ
زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد

اسلامی قانون میں حیثیت کا مقام

اگر قرآن حکیم، مستند روایات اور اسلامی تاریخ کا دیانت و بصیرت کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا قابل اعتماد سرچشمہ رسول اللہ کی احادیث ہیں، قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

وَمَنْ يُتَّبِعِ الْاِسْلَامَ فَقَدْ تَبِعَ رِجْلَيْ رَسُوْلِهِ وَتَبِعَ رِجْلَيْ رَسُوْلِهِ
تَوَلَّى وَنَصَلَهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا

”جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ کی مخالفت پر ٹکل جاتا ہے، اور سبیل المؤمنین کی بجائے دوسری راہ اختیار کرتا ہے تو ہم اسے اس طرف چلائیں گے جہنم کی طرف۔“

اس آیت میں دو باتوں کی مذمت کی گئی ہے۔ رسول اللہ کی مخالفت اور آپ کے احکام سے سرتابی دوسرا سبیل اللہ سے انحراف کرتے ہوئے دوسرے راستے کی پیروی۔ ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ کے احکام و فرامین جو احادیث کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں اگر ان کی صرف حیثیت تاریخ دین کی ہے تو اس پر اس قدر وعید نہ ہونی چاہیے تھی گویا تاشق الرسول کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی جو سنت رسول کی مخالفت کرتا ہے اسے جہنم کی وعید سنائی جا رہی ہے۔ اس آیت میں دوسرا جرم جس پر عذاب کی دھمکی دی گئی ہے وہ سبیل المؤمنین سے انحراف ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک حدیث کے بارے میں اہل ایمان کا کیا رویہ رہا ہے۔ قابل اعتماد روایات اور مستند اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج میں سے چند افراد کے سوا پوری امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے بعد اسلامی قانون کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں۔ وضاحت و تائید کے لیے صحاح کرام اور سلف صالحین سے مستند اقوال اور ان کی زندگی کے عملی نمونے پیش کیے جا رہے ہیں۔

لے (سورۃ نساء)

خلیفہ اول اور حدیث نبوی

حافظ ابن قیمؒ نے سنت اور حدیث کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ تین لا طر عمل اس طرح نقل کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو پہلے کتاب اللہ میں اس کا حل تلاش کرتے، اگر وہاں رہنمائی نہ ملتی تو سنت رسول اللہؐ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر اس موقع پر بھی ناکام رہتے تو لوگوں سے پوچھتے کہ کیا اس معاملہ میں رسول اللہؐ کے فیصلے کا کسی کو علم ہے؟ بار بار ایسا ہوا کہ آپؐ کے اس طرح سوال کرنے پر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے آپؐ کو مطلع کیا۔

تاریخ الخلفاء میں مزید یہ الفاظ ملتے ہیں کہ آپؐ اس قسم کے مواقع پر رسول اللہؐ کی حدیث سن کر خوشی سے فرماتے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ بَيْنَنَا مَنْ يَحْفَظُ عَنْ بَيْنِنَا۔

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں سے ایسے لوگوں کو باقی رکھا جن کے سینوں میں ہمارے نبیؐ کی سنت محفوظ ہے۔“

حدیث کے بارے میں یہی روش حضرت عمرؓ کے بارے میں نقل کی گئی ہے، رسول اللہؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ نے ترکہ نبویؐ میں سے اپنے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا اور ازواج مطہرات نے حضرت عثمانؓ کے ذریعے اپنا حق وراثت طلب کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے سب کو ایک ہی حدیث سنا کر مطمئن کر دیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَہ۔
”وہ انبیاء کرام کا ترکہ میراث کی طرز پر تقسیم نہیں ہوتا ہے۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنھیں اس مطالبہ پر اصرار تھا بعد میں وہ بھی راضی ہو گئیں۔ رسول اللہؐ کی وفات پر صحابہ کرامؓ میں یہ نزاع پیدا ہوئی کہ آپؐ کو کہاں دفن کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ کا رجحان مختلف مقامات کی طرف تھا۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حدیث نبویؐ سنا کہ اس نزاع کا خاتمہ کر دیا:

”مَا قَبِضَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي لَوْحٍ مَجْمُوعٍ الَّذِي يَحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تاریخ اسلام کا وہ نازک مرحلہ پیش آیا کہ جس کی صورت پر قریب تھا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان خلافت کے بارے میں اختلاف کی نوعیت شدید صورت اختیار کر لیتی۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حدیث رسولؐ اَلَا بُدُّ لَكُمْ مِنْ قُرَيْشٍ پیش کر کے

انصار کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب وادی کے حق کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ اپنے پوتے کی میراث میں کتنا حصہ پائے گی تو حضرت ابو بکر نے اس بارے میں صحابہ سے پوچھا تو محمد بن مسلمہ اور مغیرہ بن شعبہ نے بتلایا کہ رسول اللہ نے وادی کو چھٹا حصہ دلویا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

حضرت عمرؓ نے احادیث کے معاملے میں وہی طرز عمل اختیار کیا جو حضرت صدیقؓ نے اپنے عہد حکومت میں اختیار کیا تھا۔

”قَالَ عُمَرُ سَيَأْتِي قَوْمٌ يُجَادِلُونَكَ وَبِشَبَاهَاتِ الْقُرْآنِ فَخُذْ وَهُوَ بِالسَّنَنِ فَإِنَّ أَصْحَابَ السَّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ“

”آئندہ ایسے لوگ وجود میں آئیں گے جو قرآن کی آیات میں شبہات پیدا کر کے تم سے بحث و مجادلہ کریں گے۔ ایسے لوگوں پر تم سنن (احادیث) کے ذریعے گرفت کرو اس لیے کہ سنن والے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا زیادہ علم رکھتے ہیں یعنی قرآن کریم کا صحیح فہم سنت و حدیث کے علم پر موقوف ہے، ورنہ انسان شبہات کی وادی میں بھٹکتا پھرے گا۔“

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ شام کے ارادے سے نکلے، جب آپؓ مقام ”سرغ“ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ شام میں طاعون پھیل چکا ہے۔ مزید سفر جاری رکھنے کے بارے میں صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کافی گفتگو کے باوجود کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس موقع پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ حدیث پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جہاں وبا چھوٹ پڑی ہو وہاں نہیں جانا چاہیے؛ یہ حدیث سننے ہی صحابہ کا اختلاف دور ہو گیا اور حضرت عمرؓ کو اس کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے آئے، حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ مقتول شوہر کی دیت سے اس کی بیوی حصہ پائے گی یا نہیں؟ حضرت عمرؓ اس کا جواب نفی میں دیتے تھے، اس موقع پر رضاک بن سفیان آپؓ سے کہتے ہیں کہ میرے پاس نبی علیہ السلام کا نوشتہ موجود ہے کہ آپؓ نے اشیم ہنابا کی بیوی کو اپنے شوہر کی دیت سے حصہ لینے کا حقدار ٹھہرایا، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلے سے رجوع فرمایا، ایران کی فتح کے بعد جناب حضرت عمرؓ کے سامنے یہ سوال آیا کہ اہل فارس سے جزیہ لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن کریم میں اس سلسلے میں کوئی حکم واضح نہیں ہے۔ آپؓ نے صحابہؓ سے دریافت کیا، اس موقع پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا کہ حضور اکرمؐ نے ”جزیہ“ کے مجوسیوں سے جزیہ لیا۔ اس وضاحت کے بعد آپؓ نے اہل فارس سے بھی جزیہ لینا شروع کر دیا۔

لے موطا امام مالک ص ۲۷۷، کنز الدقائق ج ۲، مقدس المیزان للشعرانی مطبوعات برص ۶۲، مجمع مسلم بالاطاعی ص ۲۹

حضرت عثمانؓ اور حدیث حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ جس عورت کا شوہر مر جائے وہ جہاں چاہے مدت گزار سکتی ہے لیکن جب ابوسعید خدریؓ کی بہن فریجہ بنت مالک نے اپنا واقعہ پیش کیا کہ میرا شوہر قتل کیا گیا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے شوہر کے مکان مدت گزارنے کا حکم دیا تو حضرت عثمانؓ نے اسی روایت کے مطابق فیصلہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر صحابہؓ نے جن الفاظ میں بیعت کی وہ یہ تھے:

”ہم تمہارے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے رسولؐ کی سنت اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے طریقے پر بیعت کرتے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سر مو بھی اس معاہدہ بیعت سے تجاوز نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ حج کے موسم میں تمتع کے قائل نہیں تھے۔ جب حضرت علیؓ نے حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

حضرت علیؓ اور حدیث نبویؐ میں جلانے کا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے حدیث سنائی

کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: **”مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ“**

”مرد دین کا خاتمہ کوار سے کیا جاسکتا ہے نہ کہ آگ میں جلا کر“

حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا، **”صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ“** یعنی ابن عباسؓ سچ کہتے ہیں، حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر دین کا دار و مدار رائے اور تیس پر ہوتا تو موزوں پر نیچے سے مسح کیا جاتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اوپر مسح کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے کتاب و سنت کی اتباع میں ٹھیک وہی روش اختیار کی جس پر ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ زندگی بھر قائم رہے۔ ہر تہ علیؓ بدو کا فرمایا کرتے تھے ”خداوند! جس طرح تو نے خلفاء راشدین کی رہنمائی کی مجھے بھی اپنی ہدایت سے اہمال فرما۔ کسی نے سوال کیا کہ خلفاء راشدین کون ہیں؟ اس موقع پر آپؐ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا:

”هُمَا حَبِيبَايَ ابُو بَكْرٍ وَعُمَرُ اَمَامَا الْمَدِيْنَةِ وَشَيْخَا الْاِسْلَامِ“
یعنی خلفاء راشدین سے میری مراد ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں جو میرے محبوب ہیں اور ہدایت کے امام ہیں اور اسلام کی با عظمت شخصیتیں ہیں۔

لے ترمذی مجتہد ص ۱۷۶ ابواب الحدود لے بلوغ اللرام باب المسح علی الجہر بین

حضرت عمر بن عبد العزیز اور حدیث نبوی | حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ رسول اللہؐ اور ولادت امر یعنی خلفائے راشدین نے آپ کے بعد بہت سی سنتیں قائم کی ہیں جنہیں اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق باہم معنی ہے۔ اس طرح اطاعت الہی میں کمال حاصل ہوتا ہے اور اس کے دین کے لیے قوت و طاقت میں فراوانی ہوتی ہے۔ ان سنتوں میں تغیر و تبدل جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان کی مخالفت گوارا کی جاسکتی ہے۔ جس نے ان پر عمل کیا اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان کا سہارا لیا اس نے غلبہ پایا اور جس نے ان کی مخالفت کی اس نے مومنین کی راہ چھوڑ کر دوسرے راستہ کی پیروی کی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا یہ قول امام مالکؒ کو بہت پسند آیا۔ بار بار اسے دہرایا کرتے تھے۔ یہ حضرت عمر ثانیؓ کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی باقاعدہ جمع و تدوین کے لیے محدثین کرام کو آمادہ کیا اور اس کے لیے حکومت کے وسائل و ذرائع مہیا کیے۔

امام ابو حنیفہ اور حدیث نبوی | شامل کیا ہے جو کہ سراسر افتراء ہے۔ اختصاراً آپ کے چند قول نقل کیے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان کے دل میں سنت رسولؐ کی کیا قدر و منزلت تھی۔

”لَوْلَا سُنَّةُ مَا فَهِمُوا أَحَدٌ مِنَّا الْقُرْآنَ“

”و اگر سنت کا وجود نہ ہوتا تو کوئی بھی ہم سے قرآن کریم کا فہم حاصل نہ کر سکتا۔“

”إِنَّا كُنَّا وَالْقَوْلُ فِي دِينِ اللَّهِ بِالرَّأْيِ وَعَلَيْكُمْ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ مِمَّنْ خَرَجَ عَنْهَا ضَلَّ“

”اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں رائے اور ہمتان سے بچو اور سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لو، جو سنت کے دائرہ سے نکلا وہ گمراہ ہوا۔“ إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهُبِي۔

”اِذَا قُلْتُ قَوْلًا يَخَالِفُ كِتَابَ اللَّهِ وَحَدِيثَ الرَّسُولِ فَأَسْرُكُوا قَوْلِي“

”جب میں ایسی بات بیان کروں جو کتاب اللہ اور حدیث رسولؐ کے خلاف ہو تو میری بات چھوڑ دو۔“

امام مالکؒ فرماتے ہیں،

امام مالکؒ اور حدیث نبوی | إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ خَطِيئٌ وَأُصِيبُ فَاَنْظِرُونِي رَأْيِي فَكُلُّ

۱۔ الاعصام شاطبی ج ۱ ص ۳۳۱ قواعد التحذیر بحوالہ مقدمہ المیزان للشعرانی ص ۲۲ قواعد الحدیث ص ۲۲
۲۔ ابن العابدین فی الحاشیہ ج ۱ ص ۲۲۵ ابن العابدین ص ۱۵۰ جامع اہل العلم ابن عبد اللہ ص ۳۲۔

مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخَذُّوهُ وَكُلُّ مَا لَمْ يُؤَيِّدْهُ
الْكِتَابَ فَاتْرُكُوهُ۔“

”بس میں ایک انسان ہی ہوں، غلط اور صحیح دونوں قسم کے فتوے دے سکتا ہوں، میری رائے میں غور کرو اگر کتاب و سنت کے موافق ہو تو قبول کرو ورنہ رد کر دو۔“
”لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ إِلَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔“

”ہر شخص کی بات کو اختیار بھی کیا جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی بات ہر حالت میں اپنا نا ہی پڑے گی۔“

امام شافعیؒ اور حدیث نبویؐ | ”أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ مَوْتَ اسْتَبَانَ لَهُ سُنَّةٌ
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعِدُ لَهُ
أَنْ يَدَّعِيَهَا يَقُولُ أَحَدٌ۔“

”تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سامنے آجائے تو پھر اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ کسی کے قول کی بناء پر اسے ترک کر دیا جائے۔“

امام احمد بن حنبلؒ اور حدیث نبویؐ | ”مَدْرِيْسُ كَاشُوْقٍ رَہَاہِیْہِ، اِنْ كَے قَوْلِ هِیْہِ ”مَنْ رَدَّ حَدِیْثَ
رَسُولِ اللَّهِ فَهُوَ عَلَى شَفَا هَلَكَةٍ۔“

”جس نے حضورؐ کی حدیث رد کی وہ ہلاکت و تباہی کے کنارے پہنچ گیا۔“
معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ہر مکتب فکر نے حدیث کو اسلامی قانون کا ماخذ تسلیم کیا ہے، پس یہی وہ سبیل المؤمنین ہے جو حدیث و سنت کی روشنی میں واضح ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

۱۔ اصول الاحکام ابن حزم ج ۶ ص ۱۳۵

۲۔ اعلام الموقعین ج ۲ ص ۳۶۱

تاریخ و سیر

نائب طالب ہاشمی

خیر البشر کی دس صحابیات !

۱- حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کی صاحبزادی تھیں جو ان کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی کے صلب سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

زینب بنت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی۔

حضرت ابوسلمہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹی زاد بھائی بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی، اس لحاظ سے حضرت زینبؓ حضورؐ کی بھتیجی ہوتی تھیں (برہ بنت عبدالمطلب حضرت زینبؓ کی دادی تھیں اور حضورؐ کی چھوٹی) ان کی ولادت کے بارے میں روایتوں میں خاصا تضاد ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ حبشہ میں پیدا ہوئیں جہاں ۵ھ بعد بعثت میں ان کے والدین مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد قیام پذیر تھے۔ حضرت ابوسلمہؓ اور اُمّ سلمہؓ حبشہ میں چند سال گزارنے کے بعد مکہ واپس آگئے اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی (حضرت ابوسلمہؓ نے ۱۲ھ بعد بعثت میں مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حضرت اُمّ سلمہؓ نے ۱۳ھ بعد بعثت میں) مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر الصحابیات میں لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ نے اپنے والدین کے ساتھ ہجرت کی۔ اگر حضرت زینبؓ کی ولادت حبشہ میں تسلیم کی جائے تو پھر انہوں نے ”والدین“ کے ساتھ نہیں بلکہ والدہ کے ساتھ ہجرت کی ہوگی، (دونوں میاں بیوی کے زمانہ ہجرت میں ایک سال کا تفاوت ہے) اس وقت ان کی عمر کم از کم تین چار سال ضرور ہوگی لیکن بعض ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ نے ۱۳ھ ہجری میں وفات پائی تو اس وقت حضرت زینبؓ شیرخوار تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تو اصابع میں یہاں تک لکھا ہے کہ ان کو حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا۔ عدت گزارنے کے بعد حضرت اُمّ سلمہؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں تو نفی زینبؓ بھی حضورؐ کے آغوشِ تربیت میں آگئیں، ان کا اصل نام برہ تھا۔ حضورؐ نے بدل کر زینب رکھا۔

بعض روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سلمہ میں والد (حضرت ابوسلمہؓ) کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق جن روایات میں حضرت زینبؓ کی ولادت مجشرہ میں بتائی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہیں کیونکہ ابن ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے خود حضرت اُمّ سلمہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جس وقت میں نے ہجرت کی (سلمہ بعد بعثت میں) میری گود میں ایک ہی بچہ تھا (سلمہ بن ابوسلمہ) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ مدینہ منورہ میں ہجرت نبوی کے بعد پیدا ہوئیں، سلمہ میں حضرت اُمّ سلمہؓ کو اُمّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا تو حضرت زینبؓ شیر خوار تھیں اس لحاظ سے ان کا سال ولادت سلمہ ہجری کے لگ بھگ ٹھہرتا ہے۔ حضرت اُمّ سلمہؓ کے حضور سے نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی شیر خوارگی کی تصدیق مسند احمد بن حنبل اور طبقات ابن سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت اُمّ سلمہؓ نہایت جبار تھیں۔ حضور سے نکاح کے بعد کچھ عرصہ تک ان کی یہ کیفیت رہی کہ جب حضور تشریف لاتے تو وہ فرط حیا سے اپنی شیر خوار بچی زینب کو گود میں لے کر دودھ پلانے لگتی حضور یہ دیکھ کر واپس ہو جاتے، حضرت عمار بن یاسرؓ کو جو حضرت اُمّ سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوئے اور حضرت زینبؓ کو اپنے گھر لے گئے (عارضی طور پر)۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زینبؓ سے بے حد محبت تھی، وہ آپؐ کی ربیبہ بھی تھیں اور بھینچی بھی۔ حضورؐ کبھی غسل فرماتے ہوتے اور بھی زینبؓ آہستہ آہستہ پلٹے آپؐ کے قریب چلی جاتیں تو آپؐ پیار سے ان کے منہ پر پانی پھرتے تھے۔ اہل سیر نے تو اتر کے ساتھ لکھا ہے کہ اس پانی کی برکت سے حضرت زینبؓ کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی جوانی کی آب و تاب قائم رہی۔

حضرت زینبؓ سن بلوغ کو پہنچیں تو اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کی شادی اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زعمہ (بن اسود بن مطلب بن عبد العزیٰ بن قصی) سے کر دی۔ ان سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

سلمہ میں حضرت زینبؓ کو ایک عظیم صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، یہ ان کے دو لڑکوں یزید بن عبداللہؓ اور کثیر بن عبداللہؓ کی شہادت تھی جو واقعہ حرہ میں ہوئی۔ جب ان کی لاشیں حضرت زینبؓ کے سامنے لائی گئیں تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا کہ مجھ پر بڑی مصیبت پڑی، میرا ایک فرزند تو سر میدان لڑ کر شہید ہوا لیکن دوسرا تو غارتہ نشین تھا، ظالموں نے اُسے گھر میں گھس کر ناحق قتل کیا۔ اس کے بعد نہایت حوصلہ اور صبر سے اپنے دونوں نو بہاولوں کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ اس واقعہ کے دس سال بعد (سلمہ میں) حضرت زینبؓ نے بھی یک اہل کو بیک کہا، جنت البقیع میں

دفن ہوئیں۔ جنازے میں فقیہ امت حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی شریک ہوئے۔

حضرت زینبؓ نے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ شفقت میں تربیت پائی تھی اس لئے فضل و کمال کے لحاظ سے نہایت بلند مرتبے پر فائز تھیں۔ علامہ ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں اور علامہ ابن اثیرؒ نے اسد الغابہ میں لکھا ہے :

”كانت من ائقہ نساء زمانها“ (وہ اپنے زمانے کی فقیہ ترین خاتون تھیں)

اربابِ سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ بڑے بڑے ذی علم لوگ حضرت زینبؓ سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ”اصابہ“ میں حضرت ابو رافعؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”جب میں نے مدینہ کی کسی فقیہ عورت کا ذکر کیا تو زینبؓ بنت ابوسلمہؓ کو ضرور یاد کیا۔“

حضرت زینبؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت امام زین العابدینؓ اور عروہؓ بن زبیرؓ جیسی عظیم شخصیتیں شامل ہیں۔

۲۔ حضرت درۃ بنت ابی سلمہؓ

حضرت زینبؓ بنت ابی سلمہؓ کی ہمیشہ تھیں۔ والد حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد انہوں نے بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ صحیح بخاری میں ان کا ذکر آیا ہے۔ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ نے ایک دفعہ حضورؐ سے کہا، ہم نے سنا ہے کہ آپ درۃؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر میں نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہ تھی کیوں کہ وہ میرے رضاء، عصائی کی لڑکی ہے۔ مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔“

۳۔ حضرت جمیلہ بنت عبد اللہؓ

اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے صلب سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

جمیلہ بنت عبید اللہ بن جحش بن رثاب بن یعر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن

دودان بن سعد بن خزیمہ۔

ان کی دادی امیمہ بنت عبد المطلبؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے اُن

کے والد عبید اللہ حضورؐ کے چھوٹی زاد بھائی تھے اور وہ حضورؐ کی چھٹی بیوی تھیں۔

حضرت ام حبیبہؓ اور عبید اللہ بن جحش دونوں نے بعد بعثت کے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا اور سہ نبوت میں ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ حضرت حبیبہؓ وہیں پیدا ہوئیں۔ بد قسمتی سے عبید اللہ، حبش میں بری صحبت میں پڑ گئے اور اسلام سے منحرف ہو کر عیسائی ہو گئے۔ ساتھ ہی کثرت سے باہر نوشی شروع کر دی، اور اسی حالت میں وفات پائی۔ حضرت ام حبیبہؓ اپنی بچی کے ساتھ ہر دس میں بے یار و مددگار رہ گئیں۔ کچھ عرصہ بعد حضورؐ نے انہیں پیغام نکاح بھیجا جو انہوں نے قبول کر لیا اور نجاشی شاہ حبشہ نے ان کا غائبانہ نکاح حضورؐ سے کر دیا۔ حضرت ام حبیبہؓ غزوہ خیبر کے موقع پر حبش سے مدینہ منورہ آئیں تو حضورؐ نے ان کی بی بی حبیبہؓ کو بھی اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اور نہایت محبت سے ان کی پرورش کی۔ حضرت حبیبہؓ کا نکاح داؤد بن عروہ بن مسعود سے ہوا جو بنو ثقیف کے رئیس تھے۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

۴۔ حضرت سلمیٰؓ خادمہ رسول اللہ

حضرت سلمیٰؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں لیکن حضورؐ نے انہیں آزاد کر کے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافعؓ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ انہوں نے اس استقلال سے حضورؐ کی خدمت کی کہ لوگوں میں خادمہ رسول اللہ کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضورؐ کے فرزند ابراہیمؓ پیدا ہوئے تو دایہ گیری کی خدمت حضرت سلمیٰؓ رضی اللہ عنہا نے انجام دی۔ ان کے شوہر حضرت ابورافعؓ رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کو ابراہیمؓ کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپؐ نے اس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا۔ حضرت سلمیٰؓ کا سال وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

۵۔ حضرت فضہؓ رضی اللہ عنہا

حضرت فضہؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں لیکن سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراءؓ بتول کی کنیز تھیں۔ وہ سیدۃ النساء کی حیات پاک کے کس دور میں ان کی خدمت میں آئیں؟ اہل سیر نے اس کی تصریح نہیں کی بہر صورت مختلف روایات سے یہ ثابت ہے کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک خاندان نبوت سے وابستہ رہیں۔ ان کے شرف صحابیت پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کا اصل نام میمونہ تھا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضہؓ رکھا۔

بعض ارباب سیر نے ان کا وطن حبش بیان کیا ہے، اور کئی روایتوں میں ان کا نام ”فضۃ التوبیتہ“ درج ہے۔

حضرت فضۃؓ نہ صرف گھر کے کام کاج میں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا ہاتھ بٹاتی تھیں بلکہ ان کے ہر دکھ سکھ میں بھی شریک رہتی تھیں۔ باب علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساءؓ کی خدمت میں رہنے کی بدولت ان کا پایہ علم و فضل بھی بہت بلند ہو گیا تھا۔ ان کو سیدۃ النساءؓ کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے وفات پائی تو ان کو غسل دیتے وقت حضرت فضۃؓ بھی موجود تھیں۔ سیدۃ کا جنازہ اٹھنے لگا تو حضرت علیؓ نے اہل خانہ کو اس طرح آواز دی ”اے ام کلثومؓ، اے زینبؓ، اے فضۃؓ، اے حسنؓ، اے حسینؓ آؤ اور اپنی ماں کو آخری بار دیکھ لو، اب تمہاری جدائی ہو رہی ہے اور پھر جنت میں ہی ملاقات ہوگی۔“ گویا حضرت علیؓ کے نزدیک حضرت فضۃؓ بھی ان کے گھر کا ایک فرد تھیں۔

سیدۃ النساءؓ کی وفات کے بعد حضرت فضۃؓ نے زینب بنت علیؓ کی کنیزی میں آگئیں اور مصائب کربلا میں برابر ان کے ساتھ شریک رہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدۃ النساءؓ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فضۃؓ کا نکاح ابو ثعلبہ حبشیؓ سے کر دیا تھا ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا، ابو ثعلبہؓ کے انتقال کے بعد ان کا نکاح ابوسلیک غطفانیؓ سے ہوا۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت فضۃؓ کی ایک لڑکی (مسک) اور پانچ لڑکے تھے۔ حضرت فضۃؓ کے سال وفات کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ملتی تاہم بعض اصحاب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ حضرت زینب بنت علیؓ کی رحلت کے چند سال بعد فوت ہوئیں اور ان کی قبر حضرت زینبؓ کی قبر کے ساتھ شام میں ہے۔

۶۔ حضرت عائشہؓ بنت زید

قریش کے خاندان عدی سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے :-

عائشہ بنت زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرظ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔

جلیل القدر صحابی حضرت سعیدؓ بن زید (یکے اڑھتھارے عشرہ مشرہ) ان کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت عمرؓ بن خطابؓ چچا زاد بھائی۔ مشہور صحابیہ حضرت فاطمۃؓ بنت خطابؓ ان کی چچا زاد بہن بھی تھیں

اور بھانج بھی۔

حضرت عاتکہ رحمہ کے والد زید ان لوگوں میں سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں ہی توحید کے قائل تھے اور جن کے بارے میں حضور نے فرمایا تھا کہ وہ قیامت کے دن تنہا ایک اُمت کی حیثیت اٹھیں گے زید کو حضور کی بعثت سے چند سال قبل کسی دشمن نے قتل کر ڈالا تھا اور عاتکہ یتیم رہ گئی تھیں سن شعور کو پہنچ کر انہوں نے قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی اور صحابیت کا شرف بھی حاصل کیا۔ ان کی شادی حضرت ابوبکر صدیق رحمہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے ہوئی۔ نہایت حسین و جمیل اور عاقلہ و فاضلہ خاتون تھیں۔ حضرت عبداللہ رحمہ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا۔ وہ بھی شوہر پر جان چھڑکتی تھیں اور ہمیشہ ان کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دیتی تھیں۔ چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو جہاد پر جانے کے لئے مجبور نہیں کیا تھا اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رحمہ نے حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ وہ عاتکہ رحمہ کو طلاق دے دیں پہلے تو وہ کچھ عرصہ ٹالتے رہے لیکن جب والد ماجد کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو انہوں نے حضرت عاتکہؓ کو "ایک" طلاق دے دی لیکن بیوی کے فراق نے انہیں نڈھال کر دیا اور انہوں نے یہ شعر کہے:

اعاتک لا انساک ما ذر شارق
وفا ناح قمری الحمام المطوق
اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا
اے عاتکہ رحمہ میرا دل شب و روز
بصد ہزار تمنا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے
مجھ جیسے آدمی نے اس جیسی خاتون کو کبھی
طلاق نہ دی ہوگی اور نہ اس جیسی خاتون کو بغیر
گناہ طلاق دی جاتی۔

حضرت ابوبکر صدیق بڑے نرم دل تھے، ان کے کانوں تک یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد وہ ہر غزوے میں شریک ہونے لگے۔ طائف کے محاصرے میں ایک دن وہ دشمن کی طرف سے آنے والے ایک نیرے سخت مجروح ہو گئے۔ اگرچہ یہ زخم اُس وقت تو مندمل ہو گیا لیکن نیر کا زہر اندر ہی اندر کام کرتا رہا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد (شوال ۱۱ھ میں) یہ زخم خود کرا آیا اور اسی کے صدمہ سے حضرت عبداللہؓ بن ابی بکر رحمہ نے وفات پائی۔ حضرت عاتکہ رحمہ کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا، مرحوم خاوند کی

طرح وہ بھی شعر و شاعری میں درک رکھتی تھیں، اس موقع پر انہوں نے ایک پُر درد مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں :-

الیت لا ینفک عینی حزینۃ
علیک ولا ینفک جلدی غبرا
لله عینا من رأی مثله فتی
اکثر و احمل فی الہیاج و اصبرا
اذا شرعت فیہ الاسنة خاصہا
الی الموت حتی یدارک الموت احبرا
مدی الدھر حیث نمت صحافة ایکۃ
وما ترد اللیل الصباح المنورا
قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیرے غم میں میری آنکھ
روئے گی اور میرا جسم غبار آلود رہے گا
زہے قسمت اس آنکھ کی جس نے تجھ جیسا
جنگ جو اور ثابت قدم جوان دیکھا
اس پر تیرے رستے تو ان کی بوجھاڑ میں گھستا ہو
وہ اس وقت تک مے کی طرف چلتا رہتا جب
تک خون کی ندیاں نہ بہا لیتا۔ زندگی بھر جب جنگی
کموٹر گنگنائے گا (روتی رہوں گی) اور جب تک
رات پر صبح روشن آتی رہے :-

کچھ عرصہ بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کر لیا۔ دعوتِ ولیمہ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ بھی شریک تھے، انہوں نے حضرت عائشہؓ کو اوپر والے مرثیے کا پہلا شعر یاد دلایا تو
وہ رونے لگیں تاہم عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی ان کی وفاداری اور محبت ہمیشہ مثالی رہی۔ حضرت عمر
فاروق رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو اس موقع پر بھی انہوں نے ایک دردناک مرثیہ کہا اس کے چند اشعار
یہ ہیں :-

من لنفس عاده احرز انہا
ولعین شفقها طول السہد
وجسد لقف فی کفانہ
رحمة الله علی ذاک الجسد
فیہ تفجیع لمولی عازم
لمیداعہ الله یشی بسبب
کون سمجھائے اس نفس کو جس کے غموں نے پھر عا دہ کیا ہے
اور اس آنکھ کو جس کو بیداری کی کثرت نے تکلیف دی ہے
اور اس جسم کو جو کفن میں پلیٹا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت ہو
مقروض اور نادار عزیزوں کو
اس کا صدمہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عائشہؓ کا نکاح حواری رسول حضرت زبیرؓ
بن العوام سے ہوا، انہوں نے جنگِ جمل کے موقع پر ابنِ جرموز کے ہاتھ سے شہادت پائی تو
حضرت عائشہؓ فرطِ غم سے بڑھال ہو گئیں اور بے اختیار ان کی زبان پر یہ مرثیہ جاری

ہو گیا۔

غدار ابن جرموز فارس بھیتہ
یوم اللقاء وکان غیر معتمد
یا عمرو، لونہمتہ لوجداتہ
لا طائشاً ریش الجنان ولا الیل
کم غمرۃ قد خاضها لمریثہ
عنہا طرادک یا ابن فقہ القردم
تکلمتک امک ان ظفرت بمثلہ
ممن مضی، ممن یروح ویقتلک
واللہ ربک ان قتلت لمسلما
حلت علیک عقوبۃ المتعمدا
ابن جرموز نے لڑائی کے دن ایک عالی ہمت شہسوار سے
غداری کی اور غداری بھی ایسی حالت میں کہ وہ نہتا اور بے شرم ہوا
تھا۔ اے عمرو اگر تو اس کو پہلے سے متنبہ کرتا تو اس کو ایسا
شخص پاتا کہ نہ اس کے دل میں خوف ہوتا اور نہ ہاتھ میں لرزہ
کتے مصائب میں کہ وہ ان میں گھس گیا دلوں سے بخود یا کے پیٹے
تو ان میں اس کو جھکایا پچھاڑ نہ سکا، تیری ماں تجھ
پر روئے تو ان لوگوں پر جو گزر چکے ہیں اور
جو زندہ ہیں اس طرح غالب نہیں ہو سکا
خدا کی قسم، تو نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا
تجھ پر ضرور اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا
حضرت عائشہؓ کا سال وفات اور مزید حالات دستیاب نہیں ہیں۔

۱۔ حضرت سلمیٰ بنت عجمیؓ

عجم رسول حضرت حمزہؓ کی اہلیہ تھیں اور قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتی تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے:
سلمیٰ بنت عجمی بن معد بن عارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن
عامر بن معاویہ بن زید بن مالک بن بشر بن وہب الشہرانی بن عفرس بن خلف
بن اقبل (خثعم)۔

ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا وہ قبیلہ کنانہ سے تھیں۔

جلیل القدر صحابیہ حضرت اسماءؓ بنت عجمی (جن کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب،
حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کریم اللہ وجہہ سے ہوا) حضرت سلمیٰؓ کی حقیقی بہن تھیں جبکہ ام المومنین
حضرت میمونہؓ بنت عارث اور حضرت ام الفضلؓ (اہلیہ حضرت عباسؓ عجم رسول) ان کی ایشانی بہنیں
تھیں۔

حضرت اُمّہؓ بنت حمزہؓ، حضرت سلمیٰؓ رضی کے بطن سے تھیں۔ حضرت سلمیٰؓ رضی کے مزید حالات
معلوم نہیں ہیں۔

۸۔ حضرت اُمّہ بنت حمزہؓ

عم رسول سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں جو سلمیٰ بنت عیس کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت (۳۷ھ) میں وہ بہت کم سن تھیں۔

صحیح بخاری میں ان کے متعلق یہ واقعہ مذکور ہے کہ ذیقعدہ ۳۷ھ ہجری میں حضورؐ عرقہ القضاء کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ صلنامہ حدیبیہ کی شرط کے مطابق تین دن کے قیام کے بعد آپؐ مکہ سے چلنے لگے تو اُمّہ بنت حمزہؓ ”یا عمتہ یا عمتہ“ کہتی ہوئی حضورؐ کی طرف دوڑیں (ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت وہ یا اخی یا اخی یعنی بھائی بھائی کہہ رہی تھیں۔ فی الحقیقت حضورؐ حضرت حمزہؓ کے رضاعی اور خالہ زاد بھائی بھی تھے اور ان کے بھتیجے بھی تھے اس لحاظ سے آپؐ اُمّہؓ کے چچا بھی ہوتے تھے اور بھائی بھی)۔ حضرت علیؓ نے ان کو گود میں اٹھایا اور اپنے ساتھ لے جا کر حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے سپرد کر دیا کہ یہ تمہاری بنتِ عم ہے۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حبّ النبیؓ حضرت زیدؓ بن حارثہ نے اُمّہؓ کو اپنی اغوشِ تربیت میں لینے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں الگ الگ دعوے پیش کئے۔ حضرت علیؓ کہتے تھے کہ اُمّہؓ میرے چچا کی لڑکی ہے، اس لئے میں حق دار ہوں، حضرت جعفرؓ یہ کہہ کر اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے کہ وہ میری بنتِ عم ہے، اور میری اہلیہ اسماءؓ بنت عیس کی حقیقی بھانجی ہے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کہتے تھے کہ وہ میرے دینی بھائی (حضرت حمزہؓ) کی لڑکی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منازعت کا فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حق میں صادر فرمایا کیوں کہ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت عیس حضرت اُمّہؓ کی حقیقی خالہ تھیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔

حضرت اُمّہؓ بن بلوغ کو پہنچیں تو ان کا نکاح حضرت سلمہؓ (یا بروایت دیگر عمرہؓ) بن ابی سلمہؓ سے ہوا جو ام المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ رضی اللہ عنہا کے فرزند اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے۔ حضرت اُمّہؓ بنت حمزہؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

۹۔ حضرت فاطمہؓ بنت ولید

قریش کے خاندان بنو عبد شمس میں سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے :
فاطمہؓ بنت ولید بن عقبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

حضرت فاطمہؓ کا دادا عتبہ بن ربیعہ قریش کا نامور رئیس تھا، اور والد ولید کا شمار بھی قریش کے شجاع اور متوکل جوانوں میں ہوتا تھا۔ دادا اور والد دونوں آخر دم تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے، اور غزوہ بدر (۳ھ) میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ البتہ چچا حضرت ابوحنظلہؓ بن عتبہ اور خود حضرت فاطمہؓ کو اللہ تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی، اور دونوں نے شرف صحابیت حاصل کیا۔ حضرت ابوحنظلہؓ نے سعادت مندی بھتیجی کا نکاح اپنے منہ بولے بیٹے اور آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ سے (جو سالمؓ رضی اللہ عنہ) کے نام سے مشہور ہیں) کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ کو ہجرت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ نہایت مخلص صحابیہ تھیں۔ مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

۱۰۔ حضرت زینب بنت خطلہ

تمام اہل بیتؑ نے ان کا شمار حضورؐ کی صحابیات میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا نکاح حبیب النبیؐ حضرت اُسامہ بن زیدؓ بن حارثہ سے کر دیا تھا لیکن ان سے نباہ نہ ہو سکا اور دونوں میں تفریق ہو گئی اس کے بعد ان کا نکاح مشہور صحابی حضرت نعیم الخثعمیؓ سے ہوا، ان کے صلب سے ایک صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے رحمۃ اللعالمینؑ جلد سوم میں حضرت زینبؓ کے خاندان کے بارے میں لکھا ہے کہ زینبؓ اس بڑے خاندان کی خاتون تھیں کہ شہزادہ امیر القیس ان کے جدا مجد کا مداح تھا۔ مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

شعر و ادب

علیم ناصری

جو مانگنا ہے خالقِ ارض و سما سے مانگ

کچھ مصطفیٰ سے مانگ نہ کچھ مرتضیٰ سے مانگ
دستِ سوال غیر کے آگے نہ کر دراز
اللہ کے سوا نہیں حاجت روا کوئی
قادر ہے کارِ ساز ہے مشکل کشا بھی ہے
سب انبیاء و اولیاءِ سائل اسی کے ہیں
ہر کس فنا پذیر ہے ہر شے فنا سرشت
طوفاں میں ناخدا پہ بھروسہ نہ کر علیم

جو مانگنا ہے خالقِ ارض و سما سے مانگ
داتاِ ترخدا ہے تو ہر شے خدا سے مانگ
اپنی ہر اک طلب اسی حاجت روا سے مانگ
تدبیرِ مشکلات اسی مشکل کشا سے مانگ
تو بھی اسی شہنشاہِ ارض و سما سے مانگ
باقی ہے ذراتِ کبریا تو کبریا سے مانگ
اپنی سلامتی فقط اپنے خدا سے مانگ

تعارف و تبصرہ

پاکستان میں مسیحیت

تالیف : ڈاکٹر محمد رضا صدیقی

ناشر : مسلم اکادمی - ۲۹/۱۸ محمد نگر لاہور

قیمت : چالیس روپے صفحات : ۵۲۰

برصغیر پاک و ہند میں مسیحیت کا پھیلاؤ ایک عبرت انگیز داستان ہے جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ جناب امداد صابری صاحب کی تالیف ”فرنگیوں کا مال“ اس موضوع پر پہلی قابل ذکر کتاب ہے۔ انہوں نے برصغیر میں جلال الدین اکبر کے زمانے سے لے کر برطانوی عہد اقتدار تک مسیحیت کے پھیلاؤ کا جائزہ لیا ہے۔ اس تالیف کے بعد مسیحیت کے بارے میں مناظرانہ اور تحقیقی انداز کی کتابیں تو شائع ہوتی رہیں مگر کسی نے مسیحی تبلیغی اداروں کی راز دارانہ اور کھلم کھلا سرگرمیوں کا جائزہ نہیں لیا حتیٰ کہ ۱۹۶۵ء میں ایک مسیحی پرچے ”SPECTATOR“ نے اشاعت مسیحیت پر ایک رپورٹ شائع کی۔ اس رپورٹ سے پاکستان میں بھی پل پیدا ہوئی۔ چند کتابچے منظر عام پر آئے۔ جناب حافظ نذر احمد صاحب نے پاکستان میں فروغ مسیحیت پر اعداد و شمار کی زبان میں گفتگو کی اور اہل نظر کو پاکستان میں ارتداد کی تشویشناک صورت حال کی طرف توجہ دلائی۔

حال ہی میں کراچی یونیورسٹی میں جناب ڈاکٹر محمد نادر رضا صدیقی صاحب نے پاکستان میں اشاعت مسیحیت پر مقالہ تحقیق پیش کیا اور انہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند دی گئی۔ موصوف نے آٹھ سال کی مسلسل محنت سے موضوع کا حق ادا کیا۔ انہوں نے اپنی حاصل کردہ معلومات کا ایک حصہ مناسب ترتیب و تدوین کے بعد پاکستان میں مسیحیت کے نام سے پیش کیا ہے جو پیش نظر ہے۔ موصوف نے مسیحی اداروں کی رپورٹوں، مبغلوں سے گفت و شنید اور مبغلوں سے متاثر افراد کی معلومات سے حیران کن انکشافات کئے ہیں۔ یہ انکشافات دین کی تڑپ لکھنے والوں کے لئے لمحہ فکریہ ہیا کرتے ہیں۔ انہوں نے مسیحی مبغلوں کے طریق کار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ پاکستان میں مختلف مسیحی فرقے کام کر رہے ہیں جن کے عقائد میں تضاد پایا جاتا ہے اور ایک دوسرے

کو بدعتی اور گمراہ کہتے ہیں مگر پاکستان میں اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ انہوں نے پاکستان کو مختلف حلقوں میں بانٹ رکھا ہے اور کوئی فرقہ، دوسرے فرقے کے حلقہ اثر میں مداخلت نہیں کرتا۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب نے محنت سے یہ رپورٹ مرتب کی ہے۔ انہوں نے مسیحی اداروں کے بارے میں ممکن حد تک اعداد و شمار حیا کر دیئے ہیں تاہم اس موضوع پر مزید کام ہونا چاہیئے۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کی نشر و اشاعت پر ہرشن لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے اور مجموعی طور پر بائبل کی سالانہ اشاعت کروڑوں میں ہے۔ مسیحی تبلیغی ادارے تو ایک محرف اور مردہ کتاب پر اس قدر محنت کر رہے ہیں مگر ہم کتاب زندگی (قرآن) کی اشاعت کے لئے اتنے سرگرم نہیں۔ دنیا کی کئی زبانیں ایسی ہیں جن میں قرآن مجید کے تراجم نہیں ملتے۔ ہمیں بھی قرآن مجید کے تراجم اور خوبصورت ایڈیشنوں کی اشاعت کرنی چاہیئے۔

مختصر سے تعارف میں کتاب کی تمام خوبیوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ مختصر یہ کہ اپنے موضوع پر بہت اچھی کوشش ہے۔ کام پر مؤلف اور ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ راقم الحروف، قارئین ”محدث“ کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اس کتاب کو بہ نظر غائر پڑھیں، اور بڑھتے ہوئے ارتداد کے تدارک کے لئے کوشش کریں۔

(ابوشاہد)

فُحْہَا سَبْعَة

از شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق صاحب

ضخامت - ۱۲۴ صفحات جلد بڑا سائز

کابل غذائیت طباعت عہدہ

قیمت - بارہ روپے

ناشر - اسلامک پبلشنگ ہاؤس شیش محل روڈ - لاہور

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد جن اصحاب علم و فضل اور ادب باب فکر و نظر نے علم کتاب و سنت کی شمع روشن رکھی اور اپنے خلوص و تلبیہ، اتباع سنت، اخلاص عمل اور حسن کردار کے گہرے نقوش صفحہ تاریخ پر ثبت کئے وہ تابعین عظام ہیں۔ یہ اصحاب صحابہ کرام ہی

کے تربیت یافتہ اور انہیں کے خرمین علم کے خوشہ چین تھے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تابعین کرامؓ کی ایک کثیر تعداد کے سوانح حیات کتب سیر میں محفوظ ہیں۔ انہیں پڑھ کر نہ صرف انشراح قلب ہوتا ہے بلکہ اپنی منزل مقصود کا تعین کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ تابعینؓ میں سات فقہاء کو خصوصیت سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں، حضرت سعید بن المسیبؓ، حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت خارجہ بن زیدؓ، حضرت عبید اللہ بن عبد اللہؓ، حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ، حضرت ابوبکر بن عبد الرحمنؓ، حضرت سلیمان بن یسارؓ۔

تابعین عظام کی اس مقدس جماعت کو اسلامی تاریخ میں فقہاء سبعہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے بعض اہل علم نے حضرت ابوسلمہؓ بن عبد الرحمنؓ اور حضرت سالم بن عبد اللہؓ کو بھی فقہاء سبعہ میں شمار کیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق صاحب صدر مدرس دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور نے اس کتاب میں ان نو تابعین عظام کے حالات بڑی تحقیق و تفحص کے ساتھ قلمبند کئے ہیں، انداز بیان بڑا سستہ اور دلآویز ہے۔ فاضل مولف نہایت ثقہ اور متبحر عالم دین ہیں، اور ان کی تحریر طبعی شان اور شکستگی کا نہایت حسین امتزاج ہے۔ ان کی یہ علمی کاوش ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے۔ ناشر بھی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس گراں قدر کتاب کو ایسے خوب صورت انداز میں شائع کیا۔ یہ کتاب دینی ذوق رکھنے والے ہر شخص کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ کوئی علمی گھرانہ اور کتب خانہ اس سے خالی نہیں رہے گا۔

(طالع ہاشمی)

تفسیر الخازن مع النظم

الترتیب والبیان عن تفصیل آمل القرآن، تفسیر روح البیان، احکام القرآن للجصاص، شرح شذوہ الزہب فی معوقہ اعلام العرب، اعلام الموقعین لابن قیم، نہج السنی لابن تیمیہ، الحاوی للفتاویٰ الحنفیۃ، البحر السیوطی، مروج الذهب و معاون الجہر (التاریخ)، الفتاویٰ الیہیہ لابن حجر مکی، تنقیح الروایۃ فی تخریج احادیث السنۃ ثلاثہ الذہب، بے شمار عربی ادب و کتب کا ذخیرہ آپ اپنی کتاب پہچنا چاہیں تو ہمیں یاد فرمائیں۔

عبد الرحمن عاصم، مالک رحمانیہ دارالکتب، امین پور بارہ فیصل آباد۔

Monthly MOHADDIS Lahore-16

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

عناد اور تعصب قوم کے لیے زمرہ باطل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر
انجامِ تفہیمِ اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں سبب کا درجہ رکھتے ہیں۔
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دوقیانوس بتانا اُمت
کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے۔ لیکن
دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا، جمیعت
دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور نشر و اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے۔
لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح
کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے۔ لیکن
عجیب و بدین سیاست سے گھبراتی ہے چٹکی
جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے۔ لیکن جاہلیت
کو نشانہ اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

©

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

مَحَلِّث

مطالعہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس
کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

نئی پریچ ۱۵۰ روپے

ذرا سا ۱۵ روپے